ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
28 نومبر تا 4 دسمبر 2002ء

☆ کانٹوں کا تاج (اداریہ)
☆ اقبال کا فلسفۂ خودی اور رمضان (منبر و محراب)
☆ پوائنٹ آف نو ریٹرن!! (مکتوب شکاگو)
☆ اور — کچھ نئے سلسلے!!

عید الفطر
کے پُرمسرت موقع پر
ندائے خلافت
کے قارئین کو
عید مبارک

حقیقی اسلام

آخرت میں انسان کی نجات اور اس کا مُسلم و مومن قرار دیا جانا اور اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اسلام کے زبانی اقرار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کا قلبی اقرار، اُس کے دل کا جھکاؤ اور اس کا برضا و رغبت اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دینا ہے۔ دنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضیٔ شرع، عام انسانوں اور مسلمانوں کے لئے ہے، کیونکہ وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اللہ آدمی کے دل کو اور اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور اس کے ایمان کو ناپتا ہے۔ اس کے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جائے گا وہ یہ ہے کہ آیا اس کا جینا اور مرنا اور اس کی وفاداریاں اور کی اطاعت و بندگی اور اس کا پورا کارنامۂ زندگی اللہ کے لئے تھا یا کسی اور کے لئے؟ اگر اللہ کے لئے تھا تو وہ مسلم اور مومن قرار پائے گا اور اگر کسی اور کے لئے تھا تو نہ وہ مسلم ہوگا نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا خام نکلے گا اتنا ہی اس کا ایمان اور اسلام خام ہوگا، خواہ دنیا میں اس کا شمار کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں ہوتا رہا ہو اور اس کو کتنے ہی بڑے مراتب دیئے گئے ہوں۔ اللہ کے ہاں قدر صرف اس چیز کی ہے کہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے وہ سب کچھ آپ نے اُس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو، اور حقِ بندگی ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اگر آپ نے کسی چیز کو خدا کی بندگی سے مستثنیٰ کر کے رکھا تو آپ کا یہ اقرار کہ آپ مسلم ہوئے، یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کر دیا، محض ایک جھوٹا اقرار ہوگا جس سے دنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مسلم سوسائٹی آپ کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس سے دنیا میں آپ کو مسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے ہیں لیکن اس سے فریب کھا کر خدا اپنے ہاں آپ کو وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''خطبات'' سے ایک اقتباس)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o﴾ (آیات : ۱۵۲'۱۵۳)

''سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا شکرادا کیا کرو اور ناشکری نہ کیا کرو۔ اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے' بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

''مجھے یاد رکھو اور میرا شکرادا کرو' ' ان الفاظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس امت کے درمیان اس عظیم معاہدے کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو منصب امامت پر فائز کئے جانے کی صورت میں طے پایا ہے کہ اگر تم ان تمام ذمہ داریوں کو یاد رکھو گے اور ادا کرو گے تو اللہ کا یہ وعدہ ہے وہ بھی تمہیں یاد رکھے گا یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان کا تقاضا ہے کہ اس کا شکرادا کیا جائے۔ ناشکری کی صورت میں امت مسلمہ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اس ناشکری کی بدولت یہود اللہ کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ کھو بیٹھے تھے' اگر تم نے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو تم بھی غضب خداوندی سے نہیں بچ سکو گے۔

اگلی آیت میں اہل ایمان کو صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرنے کی تلقین اس وجہ سے ہے کہ اب تمہارے کندھوں پر بہت بھاری بوجھ آ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیغام حق یعنی دینِ اسلام تمہیں پہنچا دیا ہے' اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس پیغام کو پوری نوعِ انسانی تک پھیلاؤ اور دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس راہ میں کتنی مشقتیں جھیلیں اور کتنے مصائب برداشت کئے' اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لئے کتنی محنت کی۔ یہی بوجھ اب تمہیں اٹھانا ہے۔ اس راہ میں آنے والے تمام امتحانات تمہیں بھی درپیش ہوں گے۔ یہ بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ اونچے منصب پر جہاں ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں وہاں اگر کوتاہی ہو جائے تو سزا بھی اتنی ہی سخت ہوتی ہے۔ اسی لئے یہاں پہلے ہی سے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اس بلند منصب پر فائز ہو کر اس کے تقاضے پورے کرنے میں لگو گے تو مخالفت ہوگی' تکلیف دہ حالات پیش آئیں گے بلکہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ اس حال میں صبر کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا بلکہ صبر اور نماز کے ساتھ پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنا اور اپنے مشن کو جاری رکھنا۔ بہر حال اللہ کی مدد و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

☆ ☆ ☆

غیر ضروری سوالات کی ممانعت

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ فَاجْتَنِبُوْہُ وَمَا اَمَرْتُکُمْ بِہٖ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا ھَلَکَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کَثْرَۃُ مَسَائِلِھِمْ وَاخْتِلَافُھُمْ عَلٰٓی اَنْبِیَاءِ ھِمْ (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو جن کاموں سے روکا ہے ان سے بچو اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے جہاں تک ہو سکے ان کو کرو (خواہ مخواہ سوالات میں مت پڑو) کیونکہ پہلی امتوں کے لوگوں کو زیادہ سوال کرنے اور نبیوں کے خلاف چلنے کی طرزِ عمل نے ہلاک کر دیا۔''

بہت سے لوگوں کو سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ سوال و جواب اور قیل وقال ان کی ذہنی تفریح اور دماغی عیاشی بن جاتے ہیں' تصوف کی باریکیاں اور فقہ کی نکتہ سنجیاں اور لفظی لطیفہ بازیاں تو بہت جانتے ہیں لیکن عمل میں کورے نظر آتے ہیں۔ یہ حرکت بہت بے جا اور بُری ہے۔ بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا نام پوچھا کرتے ہیں حالانکہ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ جسے موصوفہ کا نام معلوم نہ ہوگا اُسے جنت میں جانے سے نہیں روکا جائے گا' حالانکہ ہو سکتا ہے ایسے لوگوں کو نماز کے فرائض اور واجبات تک معلوم نہ ہوں اور نماز میں پڑھنے کی چیزیں صحیح یاد نہ ہوں کہ جن کا جاننا نجات کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو کچھ انسانی ہدایت کے لئے ضروری تھا اس کو نازل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرما دی۔ اس لئے بے جا سوالات سے بچتے ہوئے اصل ضرورت حسب استطاعت عمل کرنے کی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

کانٹوں کا تاج

مرزا ایوب بیگ

پاکستان بنیادی جمہوریت اور غیر جماعتی جمہوریت سے ہوتا ہوا ''حقیقی جمہوریت'' تک آ پہنچا ہے۔ جمہوریت کی اتنی اقسام اپنا لینے اور آزما لینے کے باوجود دنیا پاکستان کو جمہوری ملک ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اس ''حقیقی جمہوریت'' میں سربراہ مملکت فوجی وردی میں ملبوس ہے۔ پاکستان کے آئین کے مطابق جس جنرل کو گریڈ بائیس کے ملازم ''سیکرٹری دفاع'' کے ماتحت ہونا چاہئے تھا وہ وزیراعظم اور کابینہ سے حلف لیتا ہے اور جب موڈ خراب ہو جائے تو وزیراعظم سمیت اس اسمبلی کو گھر بھیج دیتا ہے جسے چودہ کروڑ عوام نے منتخب کیا ہوتا ہے اور جسے وجود میں لانے کے لئے غریب قوم نے کثیر سرمایہ اور وقت صرف کیا ہوتا ہے۔ بہرحال 10 راکتوبر کے انتخابات کے بعد مرکز میں حکومت سازی کے حوالہ سے جو بحران جنم لیتا دکھائی دیتا تھا اور نئی نویلی اسمبلی پر جو سیاہ گھنے بادل چھا گئے تھے وہ ایک ماہ کے اعصاب شکن مذاکرات کے بعد اور دیدہ و نادیدہ قوتوں کی خصوصی سرگرمیوں کے باعث چھٹ گئے ہیں۔ مسلم لیگ (ق) کے نامزد امیدوار میر ظفر اللہ جمالی قومی اسمبلی کے 172 ممبران کی حمایت سے وزیراعظم منتخب ہو گئے ہیں۔ 342 کے ایوان میں انہیں سادہ اکثریت حاصل کرنے کے لئے کم از کم ایک سو بہتر (172) ووٹوں کی ہی ضرورت تھی یعنی اگر انہیں ایک ووٹ بھی کم ملتا تو نیا بحران جنم لے لیتا۔

جمالی کے وزیراعظم بننے کے بعد قومی اسمبلی میں تمام پارلیمانی لیڈروں کے قائدین کو خطاب کرنے کا موقع دیا گیا۔ سب قائدین نے اہم باتیں کیں لیکن جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے ظفر اللہ جمالی کو مخاطب کر کے اہم ترین بات کی اور وہ یہ تھی کہ جمالی صاحب آپ نے کانٹوں کا تاج سر پر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کرنا خصوصاً تیسری دنیا کے ممالک میں یقیناً ایک بہت بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ غربت' بیماری اور جہالت سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے جبکہ پاکستان مسائلستان بن چکا ہے اور جمالی صاحب تو ویسے ہی چکی کے دو پاٹوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جمالی صاحب کو جن چند بڑے مسائل کا سامنا ہوگا وہ یہ ہوں گے:

1) مینڈکوں کی اس پسیری کو سنبھال کر رکھنا جسے جمع کر کے وہ بمشکل وزارتِ عظمیٰ تک پہنچے۔

2) ایک بڑی اپوزیشن کا سامنا جو تعداد میں بھی زیادہ ہے اور ان میں قاضی حسین احمد' مولانا فضل الرحمٰن' حافظ حسین احمد' لیاقت بلوچ' عمران خان' اعتزاز احسن' شاہ محمود قریشی' خواجہ سعد رفیق جیسے دبنگ لیڈر اور ووکل (Vocal) شخصیات ہیں جنہوں نے پہلے دن ایل ایف او کے حوالہ سے فوجی حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔

3) ان کے سر پر باوردی صدر مسلط ہوگا جس کے پاس فوجی سربراہ' گورنرز' الیکشن کمیشن کا چیئرمین' چیف جسٹس آف پاکستان کے تقرر کا اختیار ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے پاس 58 ٹو بی کا اسمبلی شکن گرز ہوگا وہ جب چاہے گا اسمبلی وزیراعظم سمیت فارغ ہو جائے گی۔

4) ظفر اللہ جمالی کا تعلق ایسے صوبے سے ہے جہاں امریکہ خصوصاً اس کی افغان پالیسی کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں امریکہ دوستی تو ایک گالی ہے۔ ایمل کانسی کا اتنا بڑا جنازہ اسی نفرت کا اظہار تھا۔ میر ظفر اللہ کو کل کلاں پھر اپنے حلقہ سے منتخب ہونا ہے۔ لیکن پاکستان میں جس قوت کے پاس اقتدار کی چابی ہے وہ امریکی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اس کے مفادات کی نگہبانی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں پھر یہ کہ انہیں وزیر خارجہ اور مشیر خزانہ ایسے دیئے گئے ہیں جو امریکہ سے اپنے خصوصی تعلقات کی ہسٹری رکھتے ہیں۔

5) کچھ ہمدرد قسم کے لوگ جمالی صاحب کو حقیقی طور پر بااختیار وزیراعظم بننے کی ترغیب دیتے رہیں گے۔ جمالی صاحب کو یقیناً موثر وزیراعظم بننے کے لئے اختیارات کی ضرورت ہوگی لیکن انہیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انہوں نے باوردی صدر کے ساتھ کام کرنا قبول کیا ہے۔ اگر انہوں نے قوت کے مرکز اور محور میں تبدیلی کرنے کی کوئی فوری اور قبل از کوشش کی تو اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہوں گے لہٰذا انہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔

6) پارلیمنٹ میں بڑی اپوزیشن کے علاوہ وزیراعظم کو پارلیمنٹ سے باہر دو عوامی لیڈروں کی مقبولیت کا بھی سامنا ہوگا۔ پاکستانیوں کی یہ روایت ہے کہ وہ سیاسی مظلوموں (چاہے وہ بے نظیر اور نواز شریف کی طرح خود ساختہ مظلوم کیوں نہ ہوں) سے ضرورت سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں لہٰذا اس پس منظر میں ایک مقبول عام وزیراعظم بننے کے لئے جمالی صاحب کو سخت محنت کرنا ہوگی۔

7) 11 ستمبر کے واقعات کے بعد پاکستان کی فوجی حکومت نے امریکی قوت سے خوفزدہ ہو کر مزید برآں مشرف حکومت کے لئے امریکہ کی آشیرباد حاصل کرنے کے لئے بہت سے ایسے اقدام کئے جو ملکی وقار اور خودمختاری کے صریحاً منافی تھے۔ غیر ملکی فوجیوں کی پاکستان میں موجودگی اور ایف بی آئی کی پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جمالی صاحب کو کسی براہ راست تصادم سے گریز کرتے ہوئے ملکی وقار اور خودمختاری کو بحال کرنا ہوگا۔

8) پاکستان میں عام آدمی یہ جان چکا ہے کہ حکومت سیاسی ہو یا فوجی اس کے مسائل سے کسی کو دلچسپی نہیں یہی وجہ ہے کہ اب وہ کسی سیاسی جلسہ یا جلوس میں شرکت نہیں کرتا۔ انتخابات کا پھیکا پن اور پولنگ کے دن گھروں میں دبکے رہنے کی بھی یہی وجہ تھی۔ اگرچہ کسی غیر انقلابی حکومت سے قطعی طور پر توقع نہیں کہ وہ روایتی اقدام سے عام آدمی کے مسائل حل کر سکے پھر بھی جمالی صاحب کی حکومت کو عام آدمی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا اس لئے کہ عام آدمی اب دیوار سے لگ چکا ہے اس کی بنیادی ضروریات سے مزید لاتعلقی کا رویہ اب کسی خطرناک ردعمل کی بنیاد بن سکتا ہے۔

9) بھارت میں متعصب اور تنگ نظر بی جے پی کی حکومت قائم ہے وہ دس ماہ تک پاکستان کی سرحدوں پر فوج متعین کر کے کشمیر میں تحریک آزادی کو دبا نہیں سکی جس کی وجہ سے اندرون ملک حکومت کی مخالفت بڑھ رہی ہے۔ اس تلملاہٹ میں وہ کوئی قدم اٹھا سکتی ہے لہٰذا قومی سلامتی کے معاملے میں غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ امریکہ کبھی پاکستان کا دوست نہیں بن سکتا ویسے بھی وہ سات سمندر پار ہے۔ پاکستان کو اپنے ہمسایہ میں مخلص قوتوں خصوصاً چین سے اپنے روابط مزید استوار کرنے ہوں گے چین میں نئی قیادت برسر اقتدار آئی ہے اس سے فوری رابطہ ہونا چاہئے اور کسی ایسے امریکی منصوبے میں پھنسنا نہیں چاہئے جس سے چین کا گھیراؤ مقصود ہو۔ اسرائیل بھارت گٹھ جوڑ پر گہری نظر رہنی چاہئے۔

10) پاکستان اللہ کی خصوصی مشیت سے قائم ہوا وہی اس کی حفاظت کرے گا چنانچہ ظاہری طور پر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت نے ابھی تک اس کے دشمنوں کو روکا ہوا ہے۔ ویسے بھی یہ صلاحیت امت مسلمہ کی امانت ہے اسے رول بیک کرنا یا اس صلاحیت سے دستبرداری اختیار کرنا پاکستان کو اپنے ہاتھوں تباہ کرنے کے مترادف ہے اور امت مسلمہ سے غداری ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت تمام ذاتی اور جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر کرنی پڑے گی۔

ان تمام حالات کے پیش نظر یہ کہنا صد فی صد درست ہے کہ پاکستان کی حکومت کی ذمہ داری حاصل کرنا ''کانٹوں کا تاج'' پہننے کے مترادف ہے۔

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور — مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور — بانی: اقتدار احمد مرحوم
سی پی ایل نمبر: 127 جلد: 11 شمارہ 47 — پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چوہدری — مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زر تعاون: 250 روپے' قیمت: 5 روپے — مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 5869501-03 — نائب مدیر: فرقان دانش خان

اقبال کا فلسفۂ خودی اور رمضان

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے 15 نومبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

علامہ اقبال کے لفظ ''خودی'' کو اپنی شاعری میں فلسفیانہ اصطلاح کے طور پر استعمال کرنے سے پہلے عام طور پر خودی کا لفظ کسی اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ صرف ایک لفظ خودداری تو اچھے مفہوم میں ہے۔ لیکن خود پسندی' خود پرستی' خودغرضی جیسے الفاظ میں تکبر' غرور' انانیت کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں خودی کے بارے میں بقول شاعر عام تصور تو یہ تھا۔

خدا خدا بھی کرے خودی کا دم بھی بھرے
بڑا فریبی ہے وہ جھوٹا ہے زمانے کا

فلسفۂ خودی پر خود اقبال کے زمانے ہی سے بحث و تمحیص کا آغاز ہو گیا تھا۔ چنانچہ علامہ نے قاضی نذیر احمد صاحب کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ ''خودی سے میری مراد خود پسندی یا عام معنوں میں خودی نہیں ہے' میں دراصل اپنے فلسفہ کے لئے کوئی اچھا فلسفیانہ لفظ تلاش نہیں کر سکا لہٰذا میں نے اس لفظ کو مجبوراً اختیار کیا''۔ ظاہر بات ہے کہ فلسفی عام طور پر مذہبی اصطلاحات سے گریز کرتا ہے۔ کیونکہ مذہب وحی پر مبنی ہوتا ہے جسے ہر حال میں قبول کرنا ہے خواہ اس کے لئے کوئی دلیل ہو یا نہ ہو' جبکہ فلسفے میں بات دلیل اور منطق سے ہوتی ہے۔ لہٰذا فلسفی کو غیر مذہبی اصطلاحات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ سید نذیر نیازی صاحب نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علامہ سے سوال کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا فلسفہ خودی نطشے سے ماخوذ ہے' کچھ کہتے ہیں برگ ساں سے ماخوذ ہے' آپ خود بتایئے کہ آپ کے فلسفے کا ماخذ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کل آ جانا میں تمہیں Dictate کروا دوں گا۔ اگلے دن میں مقررہ وقت پر پہنچا تو علامہ نے فرمایا کہ قرآن مجید اٹھا لاؤ۔ نذیر نیازی کہتے ہیں کہ میرے سارے جذبات پر اوس پڑ گئی' میں تو سمجھا تھا کہ کوئی فلسفے کی کتاب نکلوائیں گے۔ بہرحال قرآن مجید اٹھایا تو انہوں نے فرمایا ''سورۃ الحشر کی آیت 19 پڑھو' میرے فلسفہ خودی کا ماخذ یہ آیت ہے۔'' اس اعتبار سے ہمیں اس آیت پر غور کرنا پڑے گا۔ اس آیۂ مبارکہ میں ارشادِ ربانی ہے:

''ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو خدا سے غافل ہو گئے تو خدا نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا''۔

گویا یہ سزا ہوئی کہ اگر خدا کو بھلا دو گے تو اپنے آپ کو بھی بھول جاؤ گے۔ اس آیت کا مفہوم حضرت علیؓ کے ایک قول سے خوب واضح ہو جاتا ہے: ((من عرف نفسه فقد عرف ربه.....)) ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

اب ذرا غور کیجئے کہ کیا انسان کبھی اپنے آپ سے غافل ہوتا ہے؟ کوئی کافر بھی اپنے وجود اور اپنے جسم کے تقاضوں سے غافل نہیں ہوتا تو پھر اپنے آپ سے غافل ہونے سے کیا مراد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے وجود کا کوئی ایسا حصہ بھی ہے جس کا اس مادی جسم سے تو تعلق نہیں ہے لیکن انسان اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ اپنشد (ہندوؤں کی مذہبی کتاب) کے ایک جملہ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

Man in his ignorance identifies himself with the material sheets which encopmass his real self.

''انسان اپنی جہالت میں اپنے آپ کو ان مادی غلافوں سے تعبیر کر لیتا ہے جو اس کی اصل ہستی کے گرد لپٹے ہوئے ہیں''۔

یعنی انسان کا ایک حقیقی وجود ایسا بھی ہے' جس کے گرد ہمارے جسم کی صورت میں مادی غلاف لپیٹ دیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسے اقبال خودی کہتے ہیں اور اپنشد اسے Realself کہتی ہے' اس کا قرآنی نام ''روح'' ہے۔

اگر اقبال ''روح'' کا لفظ استعمال کرتے تو یہ ایک مذہبی بحث بن جاتی اس لئے انہوں نے خودی کا لفظ استعمال کیا۔ بہرحال انسان کی اصل شخصیت ''روح'' ہے اور یہ جسم مادی غلاف ہے۔ گویا انسان کی ہستی دو وجودوں کا مرکب ہے۔ ایک روحانی اور دوسرا جسمانی۔ یہی بات شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ وز حیوان

''یہ آدمی زادہ عجیب معجون (مرکب) ہے۔ اس میں بیک وقت فرشتہ بھی موجود ہے اور حیوان بھی موجود ہے''۔

یہ بہت صحیح تعبیر ہے اس لئے کہ روح انسانی اُسی نور سے بنائی گئی ہے جس سے فرشتے بنائے گئے ہیں۔ بدقسمتی سے اس مادی دور میں ہماری ذہنیت یہ بن گئی ہے کہ جو چیزیں ہمارے حواس خمسہ میں نہیں آتیں اُن کے بارے میں کچھ ماننے کو تیار نہیں۔ چنانچہ آج خدا کو چھوڑ کر کائنات' روح کو چھوڑ کر جسم اور آخرت کے بجائے دنیوی زندگی کو مرکز نظر بنا لیا گیا ہے۔ اگرچہ آج کا انسان یہ نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے' شاید ہو' لہٰذا یقین سے ہم نہیں کہتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان صرف اس حیوانی وجود کا نام رہ گیا۔ روح دائرہ کار' دائرہ خیال سے خارج ہو گئی۔ یہ پہلو Human tragedy ہے کہ آج کا انسان اپنے آپ کو نرا حیوان سمجھتا ہے اور وہ اپنی بزرگی مقام و مرتبہ سے خود مستغنی ہو گیا۔

سورۃ الاعراف میں ایسے انسانوں ہی کا تذکرہ ہے:

''وہ حیوانوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے''۔

دوسری طرف ہم مسلمان جو اللہ' روح اور آخرت کو مانتے ہیں وہ بھی اس تہذیب سے متاثر ہوئے ہیں' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بھی روح کو جان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جان تو دوسرے جانوروں بلکہ پودوں میں بھی ہے۔ جان ہونا تو کوئی امتیازی بات نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح بالکل علیحدہ شے ہے۔ بدقسمتی سے اس دور میں بہت سے داعیانِ اسلام نے بھی روح کے جداگانہ وجود کا انکار کیا ہے۔ از روئے قرآن ''روح'' ایک مکمل وجود ہے۔ روح کی اپنی عقل ہے' یہ دیکھتی بھی ہے' سنتی بھی ہے۔ اس روح کا مسکن قلب ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

قرآن مجید روح اور قلب کے لئے ہم معنی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''ان کے دل تو ہیں لیکن یہ ان سے سمجھتے نہیں ہیں' ان کی آنکھیں ہیں یہ ان سے دیکھتے نہیں' ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے''۔

یہاں دیکھنے' سننے اور سمجھنے سے روح کا دیکھنا' سمجھنا

اور سننا مراد ہے۔

انسان کو مسجودِ ملائک اسی روحانی وجود کے باعث بنایا تھا۔ روحانی وجود کا صرف اس بنا پر انکار کر دینا کہ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے' بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ یہاں میں آپ کو کنفیوشس کا جملہ سنا رہا ہوں۔

There is nothing more real than what cannot be seen,and there is nothing more certain than what cannot be heared.

"جو شے دیکھی نہیں جا سکتی اس سے زیادہ کوئی حقیقی چیز نہیں۔ جو چیز سنی نہیں جا سکتی اس سے زیادہ یقینی بات کوئی نہیں"۔

اب اگلا مسئلہ سمجھیے' ہمارا وجودِ حیوانی زمین سے آیا ہے یعنی مٹی سے بنا ہے۔ یہ مسئلہ سائنس اور مذہب کے درمیان متفق علیہ ہے۔ جہاں سے ہمارا حیوانی وجود آیا ہے اس کی تقویت کے لئے غذا بھی وہیں سے آ رہی ہے۔ روح اور روحانی وجود آسمانی ہیں اس لئے اس کی خوراک بھی وہیں سے ہے۔ ہمارا جسم مٹی سے آیا تھا مٹی میں مل جائے گا۔ روحانی وجود آسمانوں سے آیا تھا اور وہیں جائے گا۔ روح پر موت طاری نہیں ہوتی۔ حیرت ہے علامہ اقبال کہاں تک پہنچے ہیں' اگرچہ انہوں نے مذہبی انداز اختیار نہیں کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے مخفی حقائق کو جس طریقے سے انہوں نے بیان کیا ہے میرے نزدیک فلسفہ قرآن کے حوالے سے وہ عہد حاضر کے سب سے بڑے ترجمان القرآن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

یعنی موت کا فرشتہ وجود کے مرکز (روح) کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ وجود تو جہاں سے آیا تھا وہاں اسی حالت میں منتقل ہو گا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) البتہ روح کو بھی تغذیہ وتقویت درکار ہوتی ہے۔ اس کی غذا آسمان سے کلامِ ربانی کی صورت میں آئی ہے۔

اس پس منظر میں اب آپ روزہ اور رمضان کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ عام حالات میں ہم اپنے مادی جسم کے تقاضوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں مثلاً کھانا' پینا وغیرہ۔ رمضان المبارک میں روزے کی صورت میں معاملہ الٹ ہو جاتا ہے۔ روزے کا حاصل یہ ہے کہ دن میں اپنے وجودِ حیوانی کو روزے کے ذریعے دباؤ اور رات کو قرآن کے ساتھ کھڑے رہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ نے اس مہینے کے روزے رکھنے ہر ایک پر فرض کر دیئے ہیں (سوائے کسی عذر کے) اور رات کا کھڑا رہنا (قیام اللیل) مرضی پر چھوڑ دیا ہے"۔ لیکن قیام اللیل سے مراد ایک گھنٹہ کی تراویح نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے باجماعت تراویح کی نماز ادا نہیں کی سوائے تین راتوں کے' وہ بھی نماز عشاء سے متصل نہیں بلکہ تہجد کے وقت ادا کی۔ چوتھی رات صحابہؓ دیکھتے رہے لیکن حضور ﷺ نہیں آئے۔ اگلے دن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مسلسل پڑھاؤں گا تو یہ تم پر فرض کر دی جائے گی۔ یہ حضور ﷺ کی شفقت تھی۔ تاہم قرآن میں قیام اللیل کا جو ذکر ہے وہ کیا ہے؟

سورۂ مزمل میں ہے:

"اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے رات کو کھڑے رہا کیجئے سوائے رات کے تھوڑے حصے کے علاوہ' رات کا نصف حصہ یا اس سے کچھ کم کر لیجئے یا اس سے کچھ زیادہ کیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے"۔
(آیت: ۱تا۴)

گویا قیام اللیل ایک تہائی رات سے زیادہ تو ہو سکتا ہے کم نہیں ورنہ وہ نوافل ہوں گے۔ اس کی گواہی اسی سورۃ مبارکہ کی آیت 20 میں موجود ہے۔

"اللہ کے علم میں ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی دو تہائی رات کو کھڑے رہتے ہیں"۔

یہ ہے اصل میں قیام اللیل جس کا احادیث میں رمضان کے حوالے سے ذکر آیا ہے۔ موجودہ تراویح کی صورت یہ بنی کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ مختلف جگہوں پر چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہو رہی تھیں اور لوگ قیام اللیل کر رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا کیوں نہ ان کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جائے اور ایک تعداد ایسی ہو جو ہر ایک پوری کر لے چنانچہ رکعتوں کا نظام بنایا گیا۔ اگرچہ مالکیہ کے نزدیک 36 رکعت تراویح ہیں جبکہ اہل حدیث اور شافعی 8 رکعتوں کے قائل ہیں۔ لیکن حنبلی اور حنفی 20 رکعتوں کے قائل ہیں اور یہ ایک گھنٹہ کی بات ہے۔ یہ تو اس شخص کے لئے ہے جس نے دن بھر مزدوری کی ہو' وہ اگر اس صورت میں قیام اللیل میں سے تھوڑا سا حصہ پا لے تو غنیمت ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ہوا کہ قیام اللیل صرف تراویح تک رہ گیا اور ہماری بدقسمتی کہ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم کے مصداق عام طور پر ہمارے حافظ بھی مطالب قرآن سے واقف نہیں۔ وہ بھی رٹا ہوا سناتے ہیں اور پیچھے کھڑے ہوئے لوگ بھی جمائیاں لیتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے دن میں روزہ رکھا اور کچھ تقوٰی کی روش حاصل ہوئی اور رات کو آپ کھڑے ہوئے اور قرآن آپ نے ایسے سنا کہ گویا یہ آپ پر نازل ہوا ہے۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اب نتیجہ یہ ہو گا کہ روح خوابیدگی سے بیدار ہو گی اور یہی مقصود ہے۔ چونکہ ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اور روح کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے ہے۔ لہٰذا جب یہ بیدار ہوتی ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس حوالے سے رمضان کا حاصل یہ ہے کہ روح بیدار ہو جائے' اسے تقویت حاصل ہو اور وہ اللہ سے ہم کلام ہونے کی کوشش کرے۔ یہی اقبال کے فلسفہ خودی کا مقصود ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچان کر معرفت رب حاصل کرے۔ گویا رمضان المبارک میں دن کا روزہ اور رات کا قیام انسان کی خودی کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ اس اعتبار سے اقبال کے فلسفہ خودی اور رمضان المبارک کے اس دوگونہ تربیتی پروگرام کا آپس میں ایک گہرا تعلق بنتا ہے۔ ○○

حالاتِ حاضرہ:

قومی اسمبلی میں سپیکر و قائد ایوان کے انتخاب کا حاصل یہ ہے کہ تمام معاملات صدر مشرف کے حسب منشاء طے پا گئے ہیں۔ حکومت سازی کے معاملے میں دینی جماعتوں کا راستہ روکنے کے لئے امریکہ کی خواہش تھی کہ ق لیگ اور پی پی پی میں ڈیل ہو جائے۔ پی پی پی کے فارورڈ بلاک کے حوالے سے کسی حد تک صورت بھی یہی بنی ہے۔ اگرچہ بے نظیر ابھی تک امریکہ کے ذریعے صدر مشرف سے کچھ باتیں منوانے میں ناکام رہی ہیں لیکن نظر ایسا آتا ہے کہ جب اسمبلی میں ایل ایف او کا مسئلہ آئے گا اور حکومت کو دو تہائی اکثریت درکار ہو گی تو اس وقت حکومت اور پی پی پی کی ڈیل ناگزیر ہو جائے گی۔ اس اعتبار سے بے نظیر اپنے پتے بڑی ذہانت سے کھیل رہی ہیں۔

آزادیٔ اظہار رائے اور انتخابی نتائج کے حوالے سے بظاہر نظر یہی آ رہا ہے کہ بڑی شاندار جمہوریت سامنے آئی ہے لیکن "ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ" کے مصداق یہ بڑی محدود جمہوریت ہے۔ ماضی میں اگر جمہوریت کنٹرولڈ ہوتی تھی تو وہ نظر بھی آتی تھی لیکن موجودہ جمہوریت نظر کے دھوکے سے زیادہ کچھ نہیں۔

اپوزیشن اور دینی جماعتیں اگر ایل ایف او اور اختیارات کے حصول کی کشاکش میں لگی رہیں تو یہ ان کی کاوشوں اور وقت کا ضیاع ہو گا اور اس سے نفاذ اسلام کے ضمن میں کچھ پیش رفت نہ ہو سکے۔ دینی جماعتوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا مقابلہ مشرف سے نہیں بلکہ امریکہ سے ہے اور امریکہ سے یہ بازی اس وقت تک نہیں جیتی جا سکتی جب تک عوام دین اسلام کی خاطر جانیں دینے کو تیار نہ ہوں گے۔

ڈاکٹر عامر عزیز کی رہائی میں ہائیکورٹ کے جرات مندانہ فیصلے کو زیادہ دخل ہے جو ایک اچھی علامت ہے۔ ایل ایف او کے معاملے پر سپریم کورٹ بھی اگر اسی جرات و ہمت کا مظاہرہ کر سکے تو عدلیہ کے وقار میں اضافہ ہو گا۔

تحریک احیائے اسلام سے متعلق
چند اصطلاحات کا جائزہ

مقدمہ: اللہ تعالیٰ بھی کسی پر اس کی استطاعت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہے لیکن "تنظیم اسلامی" کے نئے امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے تو حد کر دی۔ جانتے بوجھتے کہ یہ خاکسار اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا' حکم نازل کر دیا: "اب وقت آ گیا ہے' اور اب نہیں تو پھر کبھی نہیں' کہ حالیہ صدیوں میں دنیائے اسلام میں اٹھنے والی احیائی و تجدیدی تحریکوں کی ایک جامع تاریخ مدون کی جائے۔ ان تحریکوں کی ناکامی کی وجوہ کے علاوہ مسلمانانِ عالم کی شکست و زوال کے اسباب متعین کر کے' ان کا ایسا تنقیدی جائزہ لیا جائے کہ اس کے متن سے آئندہ کامیابی کے امکانات صاف اور روشن نظر آئیں۔ اور دیکھو' یہ کام تمہی کو کرنا ہے' اور یاد رکھو' ہم اچھے اور دینی کاموں کی انجام دہی میں لفظ انکار سننے کے قائل ہیں نہ عادی۔"

وہ کون شخص ہوگا جو الحمدللہ مسلمان بھی ہو اور نصف صدی سے قلم بھی تھامے ہوئے ہو' ایسے قابلِ افتخار اور عظیم الشان کام سے انکار کرے گا۔ محسوس ہوا کہ ہمالیہ میرے سر پر آ کر بیٹھ گیا ہے۔ پھر بھی راقم نے اپنے دوسرے تصنیفی کاموں کے انبار کو دیکھتے ہوئے عرض کیا: "بوجھ بھاری ہے' مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا۔" فرمایا: "ہمیں معلوم ہے' بڑا وقت طلب اور عرق ریزی کا کام ہے' ایک سمندر ہے جس کی شناوری کرنی ہے' لیکن قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔ ایک دم بوجھ نہیں اٹھتا' نہ اٹھایئے۔ رفتہ رفتہ' ڈھیرے ڈھیرے' ٹکڑے ٹکڑے کر کے اٹھایئے۔ "ندائے خلافت" کے اوراق حاضر ہیں۔ ہر ہفتے دو صفحے لکھتے جایئے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ "تاریخ" مکمل ہو جائے گی۔ اگر آپ یہ کام' اسلام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر' جیسا کہ بظاہر آپ نظر آتے ہیں' مکمل کر لیا تو جیتے جی جنتی ہو جائیں گے۔" حافظ صاحب کی جذباتی تحریک اپنا کام کر گئی اور اس نے میرے شب و روز کو "اسلامی تحریکوں" کی طرف موڑ دیا۔

(سید قاسم محمود)

انڈونیشیا سے مراکش تک' ملکوں ملکوں' اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو دل میں لئے' جتنی بھی تحریکیں حالیہ صدیوں میں اٹھتی رہی ہیں' ان سے متعلق لٹریچر جمع کیا اور پڑھنا شروع کیا تو چند اصطلاحیں اودا کر بار بار سامنے آتی گئیں جو ان تمام تحریکوں میں مشترک نظر آئیں۔ اگر ان اصطلاحات کی تعریف و تشریح ابتدا ہی میں ہو جائے تو متن کی راہوں پر چلتے ہوئے بار بار ان سے الجھنا نہیں پڑے گا۔

شکست: کسی قوم کا انتشار یعنی جب وہ کمزور ہو کر ٹوٹنے لگتی ہے اور بالآخر ٹوٹ جاتی ہے۔ بقول ابن خلدون: "برسراقتدار گروہ ملک کے بیشتر وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے اور اس طرح قوم میں بے چینی پیدا ہوتی ہے اور اس کی قوت متاثر ہوتی ہے۔" جو قوم چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے' وہ زوال آمادہ ہو جاتی ہے۔ جب قوم میں تخلیق کی صحیح صلاحیت باقی نہیں رہتی' یا جب قوم کامیابی کے نشے میں سرمست ہو جاتی ہے' یا جب قوم کی روح اور جسم انتشار کی نذر ہو جاتے ہیں۔

زوال: کسی قوم کی وہ حالت جب وہ شکست کی منزل سے گزرنے کے بعد پستی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں وہ اپنے وجود کے لئے دوسری قوموں کی محتاج ہو جائے (مثلاً جیسے موجودہ اسلامی ممالک مغرب کے محتاج ہیں)۔ اس کی خودمختاری بہت کم رہ جائے۔ بیشتر اہم قومی فیصلے کرنے میں دیگر اقوام سے حکم و ہدایت حاصل کرنے کے لئے مجبور ہو۔ معاشی' سیاسی اور سماجی حیثیت سے دوسری قوموں کی دست نگر ہو اور اس طرح تخلیقی' علمی اور فنی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو جائے۔ ایک زوال رسیدہ قوم' جو اپنی خودمختاری کھو چکی ہو اور دوسروں کی محتاج ہو' اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اقدار کو زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ زوال اسی قوم پر آتا ہے جسے کبھی عروج حاصل ہوا ہو۔ عروج کے بعد ہی زوال آ سکتا ہے۔ اگر عروج ہی نہ ہوا ہو تو زوال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عروج: محض دولت کی فراوانی یا محض فتوحات و مقبوضات سے کوئی قوم عروج پر نہیں پہنچ جاتی اور نہ ہی دولت کی کمی یا فوجی شکست کی وجہ سے زوال آمادہ ہو جاتی ہے۔ ایک قوم نہایت دولت مند ہونے کے باوجود سائنس اور ٹیکنالوجی کی کمی کی وجہ سے پسماندہ رہ سکتی ہے۔ اس کی خودمختاری کم ہو سکتی ہے۔ دوسری قوموں کی محتاج ہو سکتی ہے۔ تاریخ میں بار بار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ملک میں دولت کی فراوانی تھی' لیکن عقل و تدبر اور علوم و فنون میں پسماندہ ہونے کی وجہ سے قوم کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ پسماندگی کی کس منزل پر تھی۔

اسلامی تشبیہات کے حوالے سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں اس اصول کو یوں بیان کیا جائے گا:

"عام طور پر خلافت اُمویہ یا عباسیہ اور ولید بن عبدالملک' ہارون و مامون اور عبدالرحمٰن ناصر کے عہد کو عروج کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ اسلام کو وہ اسلامی تمدن کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد و قرطبہ' دمشق و غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی' فن تعمیر کی ترقی اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی' روحانی' اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے' اُن کو بغداد اور قرطبہ کے عالیشان دارالخلافوں اور سربفلک مسجدوں کے بجائے مدینے کے جھونپڑوں میں عروج نظر آئے گا"۔

قوم: مشترکہ تاریخ' مشترکہ زبان' مشترکہ مذہب' مشترکہ معاشرت' مشترکہ ثقافت و تہذیب رکھنے والے کئی کروڑ یا کئی ہزار لوگوں کی جمعیت جو سیاسی طور پر حق خود ارادیت کی حامل اور ایک واضح حدود والے علاقے پر قابض و آباد ہوں۔ فی الوقت ایسے ملکوں کی تعداد' جہاں مسلم اقوام اکثریت کے ساتھ آباد ہیں' پچاس سے زیادہ ہے اور یہ سب اپنی ایک بین الاقوامی تنظیم "اسلامی سربراہ کانفرنس" بنائے ہوئے ہیں۔

اُمت: اللہ واحد' ختم رسالت' اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کی اجتماعی اور عالمگیر وحدت و طاقت۔ ان کا سرچشمۂ ہدایت قرآن و حدیث ہے۔

تحریک: جمود و زوال کی کیفیت کے خلاف کسی ایک خیال یا جذبے کے تحت کسی ایک شخص (مجدد) یا اشخاص کے گروہ (جماعت) کے زیر اثر انقلاب خیز حرکت۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک ایسی انقلابی تحریکیں تین قسم کی ہیں:

(1) خالص قومی و ملی تحریکیں' جن کا اصل موضوع ہے جہادِ حُریت اور استخلاص دیارِ مسلمین' یعنی مُسلم ممالک کی سیاسی غلامی کا خاتمہ اور آزادی کا حصول۔

(2) علماء کرام کی مساعی جن کا اصل ہدف ہے تصحیح عقائد و اعمال' تعلیم کتاب و سنت' حفاظتِ دین و شریعت' اور باطل فرقوں کا ابطال اور جدید فتنوں کا استیصال

(3) مثبت احیائی و تجدیدی مساعی جن کا معین مقصود ہے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق یا بالفاظ دیگر اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کا قیام

اور یہ تینوں تحریکیں مل جل کر اور یہ جملہ مساعی بحیثیت مجموعی تسلسل ہیں اُمتِ محمد ﷺ کی تاریخ کے الف ثانی (یعنی دوسرے ہزار سال) کی تجدیدی مساعی کے سنہری سلسلے کا۔

احیا (Revival): مرے ہوئے جسم میں ازسرِ نو رُوح پھونکنا۔ زندہ کرنا' زندگی بخشنا۔ کسی خیال' عقیدے یا جذبے

کو نئے سرے سے اُبھارنے کی تحریک۔

نشاۃ ثانیہ (Renaisance): حیاتِ نو' نئی زندگی۔ دوبارہ عروج' خصوصاً اُن اسلامی علوم وفنون کا احیا جن کے چراغ سے مغرب کے اہلِ فکر و دانش نے اپنے چراغ روشن کئے۔

تجدید: نیا بنانا' نئے سرے سے کوئی کام کرنا' جدت' تازگی' نیاپن۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس اصطلاح کی وضاحت یوں کرتے ہیں: ''عموماً لوگ تجدد اور تجدید میں فرق نہیں کرتے اور سادہ لوحی سے ہر متجدد کو مجدد کہنے لگتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو نیا طریقہ نکالے اور اس کو ذرا زور سے چلا دے' وہ مجدد ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ کسی مسلمان قوم کو برسرِ انحطاط دیکھ کر اُس کی دنیوی حیثیت سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے زمانے کی برسرِ عروج جاہلیت سے مصالحت کر کے اسلام اور جاہلیت کا ایک نیا مخلوطہ تیار کر دیتے ہیں یا فقط نام باقی رکھ کر اس قوم کو جاہلیت کے پورے رنگ میں رنگ دیتے ہیں' اُن کو مجدد کے خطاب سے نواز دیا جاتا ہے' حالانکہ وہ مجدد نہیں' متجدد ہوتے ہیں اور ان کا کام تجدید نہیں' تجدد ہوتا ہے۔ تجدید کا کام اس سے بالکل مختلف ہے۔ جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے اور نہ اسلام اور جاہلیت' کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے' دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزا سے چھانٹ کر الگ کیا جائے' اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلے میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جز میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔''

مجدد: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجدد کی تعریف میں رقم طراز ہیں: ''ہر وہ فرد جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاجِ خلافت پر حکومت قائم کی۔ جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کے جو خصائص مٹ گئے تھے' اُن کو اُجاگر کیا' اُمت میں ایمانی رُوح پیدا کی' جس نے اِس دین پر اس کے ماخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو از سرِ نو استوار کیا۔ نو وارد فلسفوں کا ابطال کیا' اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی اور اِس اُمت کو کسی نئے فتنے میں پڑنے سے باز رکھا' جس نے اس اُمت کے لئے اس کے دین کی حفاظت کی' حدیث وفقہ کی تدوین جدید کا کام انجام دیا' اجتہاد کا دروازہ کھولا اور اُمت کو تشریع کا خزانۂ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا' جس نے معاشرے میں احتساب کا فرض ادا کیا اور اس کے انحراف اور کج روی پر کھل کر تنقید کی اور صحیح و حقیقی اسلام کی برملا و آشکار دعوت دی' جس نے شکوک وشبہات کے دور اور اضطراب وعقائد کے زمانے میں علمی طرزِ استدلال اختیار کر کے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی' جس نے دعوت و تذکیر اور انذار و تبشیر میں انبیائے کرام کی نیابت کی اور ایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلۂ جوالہ کی حرارت و حرکت بخشی' جس نے مادہ پرستی کے تیز و تند دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اُس کی تیزی و بلاخیزی کم کی' اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں بہہ جانے یا اس میں دب جانے

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

ہجری اور عیسوی تقویم کا تقابلی خاکہ

یہ سلسلۂ تحریر اگرچہ تاریخ اسلام کے ایک اہم گوشے سے مخصوص ہے اور اسی لئے اس میں سنین کے حوالے ہجری تقویم کے مطابق ہونے چاہئیں' لیکن چونکہ ہمارے قارئین اپنی معاشرت و مدنیت کے باعث زیادہ تر عیسوی تقویم سے مانوس ہیں' لہٰذا یہاں دونوں تقویموں کا سرسری تقابلی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے' تاکہ سن ہجری کے حوالے کو سن عیسوی میں' اور سن عیسوی کے حوالے کو سن ہجری میں تبدیلی کر کے دیکھا جا سکے کہ متعلقہ واقعہ تاریخ انسانیت کے کس حصے اور ماحول میں ظہور پذیر تھا۔

ہجری	عیسوی	یکم محرم	-------	ہجری صدی کا اختتام (شمسی وقمری تقویم کے فرق کیساتھ)
پہلی صدی 100-1	ساتویں صدی	16 جولائی 622ء	-------	3 اگست 718ء
دوسری صدی 200-101	آٹھویں صدی	24 جولائی 719ء	-------	11 اگست 815ء
تیسری صدی 300-201	نویں صدی	30 جولائی 816ء	-------	18 اگست 912ء
چوتھی صدی 400-301	دسویں صدی	7 اگست 913ء	-------	25 اگست 1009ء
پانچویں صدی 500-401	گیارہویں صدی	15 اگست 1010ء	-------	2 ستمبر 1106ء
چھٹی صدی 600-501	بارہویں صدی	22 اگست 1107ء	-------	10 ستمبر 1203ء
ساتویں صدی 700-601	تیرہویں صدی	29 اگست 1204ء	-------	16 ستمبر 1300ء
آٹھویں صدی 800-701	چودہویں صدی	5 ستمبر 1301ء	-------	24 ستمبر 1397ء
نویں صدی 900-801	پندرہویں صدی	13 ستمبر 1398ء	-------	2 اکتوبر 1494ء
دسویں صدی 1000-901	سولہویں صدی	21 ستمبر 1495ء	-------	19 اکتوبر 1591ء
گیارہویں صدی 1100-1001	سترہویں صدی	8 اکتوبر 1592ء	-------	26 اکتوبر 1688ء
بارہویں صدی 1200-1101	اٹھارویں صدی	15 اکتوبر 1689ء	-------	4 نومبر 1785ء
تیرہویں صدی 1300-1201	انیسویں صدی	24 اکتوبر 1786ء	-------	12 نومبر 1882ء
چودھویں صدی 1400-1301	بیسویں صدی	2 نومبر 1883ء	-------	21 نومبر 1979ء
پندرہویں صدی 1500-1401	اکیسویں صدی	9 نومبر 1980ء	-------	

پوائنٹ آف نو ریٹرن!

انٹرنیٹ کی روز افزوں مقبولیت اور مانگ جہاں اس کے لاتعداد فوائد کو ظاہر کرتی ہے وہیں تصویر کے دوسرے رخ کی طرح اس کے بے شمار نقصانات بھی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا منفی استعمال اجنبی افراد کی آپس میں چیٹنگ ہے۔ چیٹنگ کی بدولت آج انٹرنیٹ contaminated container بن چکا ہے۔ اجنبی مردوں اور عورتوں کی چیٹنگ نہ صرف قیمتی وقت کا زیاں ہے بلکہ ایمان و اخلاقیات کو تباہ کرنے کا باعث بھی ہے۔ چیٹنگ رومز کو دیکھ کر لگتا ہے کہ شیطان کے ہاتھ نوعِ انسانی اور خصوصاً امتِ مسلمہ کو راہِ راست سے بھٹکائے رکھنے کا آلہ آ گیا ہے۔ اور وہ یہ کام انتہائی عیاری کے ساتھ ہماری اچھائی پر برائی کا اور برائی پر اچھائی کا پردہ ڈال کر انجام دے رہا ہے۔ اس شیطانی جال میں کئی کئی گھنٹے پھنسائے رکھنے کے لئے ایک نیا حربہ استعمال کیا جا رہا ہے اور وہ ہے ''اسلامک انٹرنیٹ چیٹنگ رومز'' جہاں ہر عمر کے خواتین و حضرات ایک دوسرے کے ساتھ ہر موضوع کو شیئر کر رہے ہیں اور خود کو تسلی یہ دے لی گئی ہے کہ یہ تو اسلامی چیٹنگ ہے لہٰذا اس کو ''حلال'' قرار دے کر یہاں خوب خوب چیٹنگ ہو رہی ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ والدین کی اکثریت اس حقیقت سے قطعاً نا آشنا ہے کہ ان کے نورِ نظر اور لختِ جگر آدھی رات تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کون سے ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اسلامی اور دینی عنوانات کے تحت بنائے گئے رومز میں پانچ فیصد سے زیادہ لوگ نہیں مل سکیں گے کہ جو درحقیقت دین پر بات کریں گے۔ کئی چیٹنگ رومز قادیانی عقائد کا بھی دل کھول کر پرچار کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ ہجوم بھی انہی قادیانی رومز میں ہوتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان قادیانی رومز کے بیشتر باقاعدہ استعمال کرنے والے دینی رومز کا وزٹ بھی کرتے ہیں اور پھر قادیانی رومز میں جا کر شعائرِ اسلامی کی تضحیک کرتے ہیں اور کئی کئی گھنٹے قادیانیت پر سیر حاصل لیکچرز سنتے ہیں۔ نوجوان ناپختہ ذہنوں میں ان رومز کے استعمال سے جو کھچڑی پکتی ہوگی وہ یقیناً لمحۂ فکریہ ہے۔ فری مکسنگ' چیٹنگ' ایک دوسرے کو برے ناموں سے مخاطب کرنا اور انتہائی گھٹیا کوالٹی کے کمنٹس پاس کرنے والے یہ چیٹنگ رومز دراصل فلرٹ رومز ہیں۔ یہ ایک غلط سوچ ہے کہ ہم چیٹنگ کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ شیطان ہمیں اپنی انگلیوں پر نچائے رکھنے کے لئے ایسے ہی ہتھکنڈے آزماتا ہے۔ عموماً دیکھا یہی جاتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام تو کہیں سرد خانے میں جا پڑتا ہے اور buddy list میں cyber friends کی تعداد 150 تک جا پہنچتی ہے جس میں زیادہ تعداد صنفِ مخالف ہی کی ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی buddy مقامی ہو تو مزید ایک قدم آگے بڑھ کر کسی پارک' فوڈ چین یا تھیٹر میں ایک دوسرے کو شرفِ ملاقات بخشا جاتا ہے۔ پھر ہمارا سب سے بڑا قومی اخبار ''نیٹ بیتیاں'' چھاپتا ہے۔ انٹرنیٹ چیٹنگ فی زمانہ ایک ایسا ساز ہے جس سے ہر لمحے نکلتی پرفریب دھنیں ہمیں ہمارے مقصد نصب العین حتیٰ کہ اللہ تک سے دور کرتی جا رہی ہیں۔ اجنبی مرد و خواتین

رعنا ہاشم خان

چیٹنگ سے connect ہو کر اللہ اور اس کے دین سے disconnect ہو رہے ہیں۔ yahoo pager ہو یا MSN messenger' بات ICQ کی ہو یا paltalk کی یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ paltalk تو مہیب فتنہ ہے کہ اس میں voice chat کے ساتھ ساتھ webcames میوزک رومز تو خرافات کی چوٹی کو چھو چکے ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے کہ:

''لوگو فتنوں کا جب زمانہ آئے گا تو عالم یہ ہوگا کہ جس طرح بارش ہونے کے بعد اس کے قطرے ہر مقام سے ٹپکتے ہیں اسی طرح کوئی گھر تمہارے گھروں میں سے فتنوں کے اثر سے محفوظ نہیں رہے گا''۔

یعنی ہر گھر پر فتنوں کا اثر پڑے گا۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ:

''فتنوں کا زمانہ جب ہوگا تو اندھیری رات کی مانند فتنے آئیں گے''

آج انٹرنیٹ کا فتنہ دیکھ لیجئے۔ نہ صرف گھر بلکہ جگہ جگہ کھولے جانے والے انٹرنیٹ کیفے بھی اس کی ایک مثال ہیں۔ ان انٹرنیٹ کیفے میں پاکستانی جیالے اور جیالیاں جو کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اسلام ہر ایسے آئیڈیا اور ایکشن سے روکتا ہے جو فتنے کا باعث بنے۔ لہٰذا بجائے گھنٹوں چیٹنگ رومز میں بیٹھ کر دعوت و تبلیغ کرنے کے ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں میں چیٹنگ کے مضمرات کا فہم پیدا کیا جائے' تا واقف والدین کو بتایا جائے کہ چیٹنگ کیا ہے۔ انہیں بتایا جائے کہ ان کی پندرہ سالہ بچی جس cyber friend کی دیوانی ہے ہوسکتا ہے وہ کوئی انہتر (69) سالہ ''باباجی'' ہوں کہ اجنبیت کی تمام دیواریں گرا دینے کے باوجود یہ چیٹنگ رومز یہ بتانے سے قاصر ہوتے ہیں کہ جس سے رات دن چیٹنگ ہو رہی ہے اس کی صنف کیا ہے' عمر کیا ہے اور سب سے بڑھ کر ارادے کیا ہیں۔ اسلام ٹیکنالوجی اور ماڈرن ایجادات کی مخالفت نہیں کرتا لیکن ہمیں سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ ہم ان ایجادات کو کس طرح استعمال میں لا رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ اس بارے میں ہمارے علماء کرام کی کیا رائے ہے نہ کہ اپنی جانب سے غیر شرعی کو شرعی بنا لیا جائے۔

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صنفِ مخالف سے چیٹنگ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''گپ شپ (Chatting) کا لفظ تو برائی کے درجے میں آتا ہے لیکن اگر آپ کا ویسے کسی سے تعارف ہے اور اس بناء پر آپ اسے دین کی تعلیم و دعوت پہنچا رہے ہیں اور اس میں آپ کا نفس لذت نہیں لے رہا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ نیت صاف ہونی چاہئے۔ اعمالوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر نیت صاف نہیں تو پھر کسی درجے میں اسے جائز نہیں کہا جاسکتا''۔ (ندائے خلافت۔ ۲۱ تا ۲۷ دسمبر ۰۲)

اب ذرا غور کیجئے کہ محترم ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں اگر آپ کا کسی سے تعارف ہے یعنی آپ اجنبی نہیں ہیں اور جس سے چیٹنگ ہو رہی ہے اس کی عمر' نام و مقام سے آگاہی رکھتے ہیں' اس کی صنف آپ کے علم میں ہے تب کوئی دینی دعوتی بات یا نصیحت کی جاسکتی ہے اور اس میں بھی اس بات کا پورا اہتمام کیا جائے کہ آپ کا نفس مزے نہ لے۔ آپ کی نیت صرف دعوت و تعلیم ہی کی ہو۔ اب چیٹنگ کے دلدادہ خواتین و حضرات یہ بتائیں کہ بغیر کسی تعارف اور آگاہی کے گھنٹوں چیٹنگ رومز میں بیٹھ کر میوزک سننا' ذومعنی گفتگو کرنا اور ایک دوسرے کو اپنی اصلیت سے لاعلم رکھنا شیطانی فعل نہیں تو بھلا کیا ہے۔ ان چیٹنگ رومز میں استعمال کی جانے والی ناشائستہ زبان ہی یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ بطور مسلم یہ ہمارے لئے No go zone ہے۔ ہم خود کو اور دوسروں کو یہ کہہ کر بے وقوف بنانے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ واقعی صاف نیتوں کے ساتھ یہاں آتے ہوں لیکن شیطان کا کاری وار لگتے کیا دیر لگتی ہے لہٰذا ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور چونکہ شیطان لا

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

مسائل عیدین

روزِ عید غسل کرنا اور بہترین لباس پہننا مستحب ہے۔ عیدالفطر میں نماز عید سے پہلے طاق تعداد میں کھجوریں کھانا اور عیدالاضحیٰ میں نماز عید کے بعد قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتدا کرنا مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ عیدگاہ میں نماز عید ادا فرمایا کرتے تھے' البتہ بارش کی حالت میں مسجد میں نماز عید ادا کی جاسکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو عیدین کے موقع پر عیدگاہ جانے کا حکم دیا' البتہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ عیدگاہ جاتے وقت گھروں سے نکلنے کے شرعی آداب کی شدت سے پابندی کریں۔ زمانۂ نبوت میں بچوں کو بھی عیدگاہ لے جایا جاتا تھا' البتہ سرپرست حضرات بچوں کو نظم و ضبط خراب نہ کرنے دیں۔ مسلمان تکبیرات پکارتے ہوئے عیدگاہ کے لئے روانہ ہوں' البتہ ایک آواز میں تکبیرات نہ کہیں کہ ایسا کرنا ثابت نہیں' عورتیں اس بات کا اہتمام کریں کہ ان کی تکبیرات کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔ عیدالفطر میں تکبیرات کہنے کا وقت شوال کا چاند دیکھنے سے لے کر عید سے فارغ ہونے تک ہے' عیدالاضحیٰ میں یہ وقت نو ذوالحجہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کے دن کے آخر تک ہے۔ عیدین کی نماز ادا کرنا اہل اسلام پر واجب ہے۔ نماز عیدین کا وقت طلوع آفتاب کے بعد نفلی نماز ادا کرنے کا وقت ہے' البتہ نماز عیدالفطر کو قدرے تاخیر سے اور نماز عیدالاضحیٰ کو جلدی ادا کرنا مسنون ہے۔ نماز عیدین سے پہلے اذان و اقامت یا اور کوئی ندا ثابت نہیں۔ رسول کریم ﷺ عیدگاہ میں سترے کا اہتمام فرماتے۔

نماز عید کی دو رکعتیں ہیں۔ نماز عیدین کی دونوں رکعتوں میں عام نمازوں سے زیادہ تکبیرات ہیں' پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تین اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں زائد ہیں۔ نماز عیدین میں سورہ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ | ق | اور دوسری رکعت میں سورہ | القمر | یا پہلی رکعت میں سورہ | الاعلیٰ | اور دوسری رکعت میں سورہ | الغاشیہ | پڑھنا مسنون ہے۔ نماز عید' خطبہ سے پہلے ادا کی جائے۔ عیدین کے خطبوں میں عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ عید کے بعد ایک دوسرے کو مبارکباد کہنا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ نماز عید سے پہلے یا بعد کوئی نفلی نماز نہیں' البتہ نماز عید کے بعد گھر میں مستقل نفلی نماز ادا کرنا سنت سے ثابت ہے۔ عیدگاہ سے واپسی پر راستے کو تبدیل کرنا مسنون ہے۔ چاند کی خبر روز عید بعد از زوال آئے تو اگلے دن نماز عید ادا کی جائے' البتہ زوال سے پہلے خبر آنے کی صورت میں اسی دن نماز عید ادا کر لی جائے۔ نماز ادا نہ کر سکنے والے شخص کے بارے میں دو اقوال نقل کئے گئے ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

پہلا قول یہ ہے کہ وہ چار رکعتیں پڑھے' دوسرا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ تکبیرات زائدہ کی ساتھ دو رکعتیں ادا کرے۔ عیدین کے دونوں دنوں میں روزہ رکھنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جمعۃ المبارک کے دن عید ہونے کی صورت میں عام دستور کے مطابق نماز عید ادا کی جائے گی' البتہ جمعہ کے بارے میں لوگوں کو اختیار ہوگا چاہیں تو وہ اس کو ادا کریں اور چاہیں چھوڑ دیں' البتہ امام جمعہ ضرور پڑھائے تاکہ جو حضرات جمعہ ادا کرنا چاہیں وہ اس کی اقتدا میں ادا کر سکیں' جمعہ ادا نہ کرنے والے لوگ نماز ظہر پڑھیں گے' جمعہ اور عید کا ایک دن میں ہونا کتاب و سنت کی روشنی میں نحوست کی علامت نہیں۔

ضرورت رشتہ

سید خاندان کی 25 سالہ' بی ایس سی' ایم ایڈ کے لئے برسرروزگار' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ خوشحال اور ہم پلہ خاندان کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: ایم۔اے۔ حسین' (0432)261403

کیبل نیٹ ورک پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآن

مندرجہ ذیل کیبل کمپنیوں کے کنکشن رکھنے والے صارفین روزانہ بعد نمازِ تراویح محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی زبانی قرآن حکیم کے ابدی پیغام سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

نمبر شمار	کمپنی کا نام	فون نمبر
(1)	ورلڈ کال ملٹی میڈیا کیبل نیٹ ورک	111-111-004/ 5877051-54
(2)	کنگ کیبل نیٹ ورک	7246646
(3)	یونیورسل کیبل نیٹ ورک	7706664-7706667
(4)	ورلڈ کلاس ملٹی میڈیا کنسرن	7847929
(5)	گلف کیبل نیٹ ورک	5416843-45
(6)	ہیرو کیبل نیٹ ورکس	0300-9484864
(7)	ملینیم آئی کیبل نیٹ ورکس	5753621
(8)	کامران کیبل نیٹ ورکس	6544067
(9)	F&R کیبل نیٹ ورکس	0300-8414787
(10)	چودھری کیبل نیٹ ورک	7610003
(11)	ھارٹ برڈ کمیونیکیشن	6818790/6857116
(12)	سٹی ایشیا کیبل نیٹ ورک	
(13)	برٹش کیبل نیٹ ورک	5857888
(14)	ملینیم کیبل ورکس	6663233
(15)	009 کیبل آپریٹر	
(16)	ہوم کیبل نیٹ ورک	0300-8407103
(17)	شاہ کیبل/ منہاج کیبل/ فیصل کیبل/ اسد کیبل نیٹ ورکس	0333-4238464/6815097

مزید معلومات کے لئے اپنے کیبل آپریٹر یا ناظم شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی لاہور سے فون نمبر 7237721/7353987 پر رابطہ فرمائیں۔

خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب (۲)

8 ہجری میں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی کی۔ علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپؐ کے حکم پر یہ علم حضرت علی نے سنبھالا وہ کذاء کی جانب سے مکہ میں داخل ہو گئے اور اس طرح بلا کسی مزاحمت کے فتح ہو گیا۔

9 ہجری میں آپ نے تبوک کا قصد فرمایا۔ یہ سخت مشکل کا وقت تھا آپ کی ترغیب پر صحابہ کرام نے نہایت فراخدلی کے لئے سامان جنگ اور دیگر اخراجات کے لئے سرمایہ فراہم کیا اور جہاد کے لئے تیار ہوئے۔ اس موقعہ پر آپ نے حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ اس طرح آپ اس مہم میں شرکت سے محروم رہے جس کا آپ کو ملال ہوا۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا: علیؓ کیا تم اسے پسند کرو گے کہ تم میرے نزدیک اسی مقام پر ہو جس مقام پر ہارون موسیٰ کے لئے تھے۔

9 ہجری کے سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا۔ ان کی روانگی کے بعد سورت توبہ کی آیات نازل ہوئیں جن کا حج کے موقعہ پر اعلان کرنا تھا۔ چنانچہ اس کام کے لئے حضرت علیؓ کو مکہ بھیجا گیا۔ جنہوں نے وہ آیات پڑھ کر سنائیں اور کہہ دیا کہ کوئی کافر جنت میں نہ جائے گا۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے گا اور نہ ہی برہنہ طواف۔ ہاں رسول اللہ کا جس کے ساتھ معاہدہ ہے وہ معینہ مدت تک برقرار رہے گا۔

10 ہجری میں مسلمانوں کی عظیم الشان جمعیت نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ یہی حج حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس حج دیگر جانثاروں کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری حج ہے۔ جس میں آپ نے یادگار خطبہ حج دیا جس کے الفاظ آج بھی بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی کو ابھی تین ماہ نہ ہوئے تھے کہ آپؐ علیل ہو گئے۔ یہ علالت آپ کی حیات مستعار کا اختتام ثابت ہوئی۔ آپ کی اس بیماری کے دوران حضرت علیؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ آپ کی تیمارداری کی۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا چنانچہ آپؐ چند دن کی علالت کے بعد 12 ربیع الاول پیر کے دن رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اللھم صل علی محمد و علیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ وفات کے بعد آپؐ کے غسل اور تجہیز و تکفین کا تمام عمل حضرت علیؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فوری طور پر خلیفہ کا تقرر ضروری تھا۔ اس لئے سقیفہ بنوساعدہ میں انصار اور مہاجرین کا اجتماع ہوا جس میں اہل مدینہ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ اس اجتماع میں حضرت علی موجود نہ تھے۔ تقریباً تمام لوگوں نے بیعت خلافت کر لی مگر حضرت علی نے چھ ماہ تک بیعت نہ کی۔ اس کی دو وجوہات معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ خلیفہ کے تقرر کے وقت ان کی غیر حاضری کو اہمیت نہ دی گئی۔ اس سے انہیں رنج ہوا۔ دوسرے بنت رسولؐ کی سوگوار زندگی نے انہیں خانہ نشین کر دیا تھا تا کہ وہ ان کی دلجوئی کر سکیں۔ چنانچہ جب رسول اللہؐ

محمد یونس جنجوعہ

کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ فوت ہو گئیں تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لی اور پھر ان کے پورے دور خلافت میں ان کے دست و بازو بن کر رہے اور اہم معاملات میں مشورے بھی دیئے۔

حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد عمر خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت علیؓ کا تعاون ان کے ساتھ رہا۔ وہ بھی بڑی اہمیت کے معاملات میں حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ باہمی پیار و محبت' خیر خواہی اور ہمدردی کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کا دور خلافت شروع ہوا تو حضرت علیؓ ان کے پرخلوص مشیر تھے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں جب بے چینی اور اضطراب شروع ہوا تو اس کے اسباب پر خلیفہ وقت کے ساتھ طویل گفت و شنید کی اور انہیں اس کے سدباب کے لئے تجاویز بھی دیں۔ مگر حضرت عثمان کی طبعی نرمی اور دیگر ناگزیر وجوہات کے باعث امن و امان قائم نہ رہ سکا۔ شورش برپا کرنے والوں کے حوصلے بلند ہوتے گئے اور بالآخر وہ حضرت عثمان غنی کو انتہائی بے رحمی سے شہید کرنے میں کامیاب رہے۔ اس ساری کارروائی کے دوران حضرت علیؓ نے حالات کو سدھارنے اور خلیفہ وقت کا دفاع کرنے میں انتہائی پرخلوص اور بھرپور جدوجہد کی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت حضرت حسنؓ اور حسینؓ خلیفہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ مگر بلوائی گھر کی پشت سے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی تو اپنے بیٹوں پر سخت ناراض ہوئے بلکہ ان کو مارا بھی۔

حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ کو اس منصب کے اہل سمجھا مگر حضرت علیؓ انکار کرتے رہے مگر مہاجرین و انصار کے لگاتار اصرار پر ہاں کر دی اور خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔ سب لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر مسجد نبوی کے اندر بیعت خلافت کر لی۔ اب حضرت علیؓ نے حالات کی اصلاح کی طرف توجہ کی۔ مگر کوئی مثبت نتیجہ نکلتا نظر نہ آ رہا تھا۔

کچھ لوگوں کی طرف سے چند ناگزیر اقدام اٹھانے اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو فوری گرفتار کر کے سزا دینے پر اصرار کیا گیا۔ آپ نے اس سلسلہ میں تمام قانونی تقاضے پورے کرنے کی مہلت چاہی تو احتجاج نے سنگین صورت حال اختیار کر لی اور صورت حال قابو سے باہر ہو گئی۔ بدخواہوں کی سازشیں کامیاب ہوئیں جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے خلاف اٹھ گئیں۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکے ہوئے جس میں ہزاروں مسلمان کام آئے۔ الغرض آپؓ کا دور خلافت ہنگاموں' شورشوں اور جنگوں کی نذر ہو گیا اور کوئی مثبت کام نہ ہو سکا۔ اسلامی سلطنت کی حدود میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت پر کسی شاعر نے بڑا چشم کشا تبصرہ کیا۔

اک روز مرتضیٰ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امین دام ظلکم
بوبکر اور عمر کے زمانے میں چین تھا
عثمان کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے یہ پڑ گئے
اپنی تو عقل رہ گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم

ذاتی اعتبار سے حضرت علی انتہائی اونچے درجے کے انسان تھے۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پلے بڑھے اور ہمہ وقت آپؐ کے زیر تربیت رہے۔ آپ کی شخصیت اس قدر دلکش اور پسندیدہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو آپ کی زوجیت میں دے کر آپ کو دامادی کا شرف عطا کیا۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

مسلم اُمّہ: خبروں کے آئینے میں

سید قاسم محمود

نائیجریا میں شاتمِ رسول ﷺ کا واقعہ

نائیجریا ایک عجیب و غریب اسلامی ملک ہے۔ آبادی کے لحاظ سے انڈونیشیا' بنگلہ دیش اور پاکستان کے بعد چوتھا بڑا اسلامی ملک ہے۔ یہاں کی آبادی بارہ کروڑ ہے' جس میں 50 فیصد مسلمان ہیں اور 40 فیصد عیسائی۔ آبادی کی اس ترکیب خاص اور پھر آمرانہ سیاسی نظام کے باعث مقابلۂ حسن کا منعقد کرنا اور سرکاری طور پر اس کی اجازت دینا ہی بے تدبیری کی بات ہے۔ چنانچہ 22 نومبر کو شمالی شہر کڈونا میں ایک اخبار میں رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز اور متنازعہ مضمون کی اشاعت کے بعد جلاؤ' گھیراؤ' پتھراؤ اور چھرا گھونپنے کی وارداتیں شروع ہو گئیں' جن کے نتیجے میں 200 افراد ہلاک اور 500 سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ یہ متنازعہ مضمون اس وقت چھاپا گیا جب عالمی مقابلۂ حسن کے خلاف مسلمانوں کے جذبات پہلے سے مشتعل تھے۔ فسادات کی اس لہر میں متعدد مساجد اور گرجا گھر نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ اگرچہ دوسرے ہی دن ''مقابلۂ حسن'' میں شریک' مختلف ملکوں سے آئی ہوئی 200 لڑکیوں کو لندن منتقل کر دیا گیا' لیکن جذبات کا الاؤ سرد نہیں ہوا۔ کڈونا کے بعد دارالحکومت ابوجہ اور دوسرے شہروں میں بھی ہنگامے شروع ہو گئے۔ کئی مساجد اور گرجا گھر نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ بے حد افسوس ناک ہے اور اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے جس نے ''مقابلۂ حسن'' کے انعقاد کی اجازت ایک ایسے مذہبی ماحول میں دی' جہاں آدھی آبادی حجاب کی قائل ہے اور آدھی بے حجابی کی۔

بحرین کے تازہ انتخابات

بحرین چھ جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جزیرہ بحرین سب سے بڑا ہے۔ آبادی ساڑھے چھ لاکھ کے قریب ہے۔ سب کے سب مسلمان ہیں۔ مقامی لوگوں کی تعداد تین لاکھ 78 ہزار ہے' باقی عرب' ایشیائی اور ایرانی ہیں۔ سنی 40 فیصد اور باقی شیعہ ہیں۔ نئے آئین کی رُو سے شیخ حماد بن عیسیٰ الخلیفہ نے اپنی معاونت و مشاورت کے لئے ایک قانون ساز اسمبلی بنا رکھی ہے' جس کے تازہ انتخابات اکتوبر میں ہوئے۔ یکم نومبر کو انتخابی نتائج کا اعلان کیا گیا' جن کے مطابق اسلام پسند اُمیدواروں کو اکثریت حاصل ہوئی۔ 40 ارکان کی اسمبلی میں سے 12 سنی اور 7 شیعہ پارٹی نے حاصل کی ہیں' جبکہ 18 آزاد امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ 3 کامیاب امیدوار لبرل ہیں' یاد رہے کہ حزبِ اختلاف سے تعلق رکھنے والی چار پارٹیوں نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا۔

عراق کے خلاف تازہ واردات

اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل سے اپنی قرارداد نمبر 1141 زبردستی منظور کرانے کے بعد' جس کے تحت قرار پایا ہے کہ عراق 8 دسمبر تک اقوامِ متحدہ کے معائنہ کاروں کو اپنے تمام اسلحے کے ذخائر دکھا دے گا' امریکا کے صدر جارج ڈبلیو بش نے پہلے تو کئی مغربی ملکوں سے ذاتی رابطے قائم کر کے ''نیٹو'' کو مضبوط تر بنانے کے لئے کہا ہے اور اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ ایسا کرنے میں اُنہی کی بھلائی ہے۔ پھر فوری طور پر موصوف ماسکو پہنچے ہیں اور وہاں رُوس کے صدر پوٹین سے خفیہ مذاکرات کر کے سازش اور سودا بازی کی ہے اور صدر پوٹین پر زور ڈالا ہے کہ وہ عراق کے خلاف امریکا کی ہونے والی جارحانہ عسکری کارروائی میں امریکا کا ساتھ دے۔ ایسی صورت میں رُوس کے جتنے اور جیسے بھی مفادات عراق کے ساتھ وابستہ ہیں اُن کو امریکا پورا کرے گا۔ یہ خبر لکھتے وقت تک صدر بش رُوس میں ہیں۔ حالات انتہائی تیزی سے نہ صرف عراق بلکہ دنیائے اسلام کا گلا گھونٹنے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ترکی میں اسلامی پارٹی کی شاندار فتح

3 نومبر 2002ء کو ترکی میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ مقررہ مدت سے اٹھارہ ماہ قبل ہونے والے ان انتخابات میں ''جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی'' نے ایوان کی 550 میں سے 363 نشستیں حاصل کر کے سہ جماعتی حکمران اتحاد کو شکست دے دی ہے۔ وزیر اعظم بلند ایجوت کی ڈی ایس پی پارٹی کو بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن کی پارٹی محض ایک فی صد ووٹ حاصل کر سکی۔ جبکہ کمال اتاترک کی پیپلز ری پبلکن پارٹی کے 179 ارکان کامیاب ہوئے۔

ترکی میں راسخ العقیدہ مسلمانوں اور سیکولر فوج و سیاست دانوں کے مابین (1924ء میں خلافت عثمانیہ کی تنسیخ کے بعد) گزشتہ 80 برسوں سے جاری کشمکش اور بار بار اسلام پسند جماعتوں اور شخصیات پر سخت پابندیوں کے علاوہ سیاسی عمل کے اخراج کے باوجود رجب طیب اردگان کی ''انصاف و ترقی پارٹی'' کی دو تہائی نشستوں پر کامیابی ایک تاریخی واقعہ ہے اور جدید ترکی کی 80 سالہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ 1977ء میں ترک سیکولر فوج نے نجم الدین اربکان کی حکومت کو برطرف اور اُن کی رفاہ پارٹی کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا تھا۔ پھر 1998ء میں رفاہ پارٹی کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ اُس کی جگہ فضیلت پارٹی نے لے لی اور پارلیمنٹ میں 110 نشستیں بھی حاصل کر لیں۔ مگر 1999ء میں ''سیکولر آئین'' کی حفاظت کے نام پر اسے بھی خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ جولائی 2001ء میں فضیلت پارٹی کی جگہ سعادت پارٹی نے لے لی۔ جب فضیلت پارٹی پر پابندی لگی تو عوام کی نبض شناس اور کرشماتی شخصیت رجب طیب اردگان نے ''انصاف و ترقی پارٹی'' کے نام سے ایک الگ پارٹی بنالی۔ اس پارٹی میں فضیلت پارٹی کے 45 ارکان اسمبلی اور نجم الدین اربکان کے ہزاروں حامیوں نے شرکت کی۔ پارٹی کے قائد اول رجب طیب کو نئے الیکشن سے باہر رکھنے کے لئے سیکولر حکومت نے انہیں جیل میں ڈال دیا' کیونکہ انہوں نے ایک تقریر میں چند جذباتی اشعار پڑھ دیئے تھے جن کا مفہوم کچھ یوں ہے: ''ہم امن پسند لوگ ہیں' تاہم اگر تم ہمیں دہشت گرد کہنے پر مُصر ہو تو پھر سنو کہ میں دہشت گرد ہوں۔ مسجدوں کے مینار میری تلوار' جبکہ گنبد میری ڈھال اور یہ مساجد ہماری بیرکیں ہیں''۔

الیکشن کے نتائج سامنے آنے کے بعد رجب طیب نے پھر اعتدال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم ملک کو اسلامی بنانے کے لئے کسی خفیہ ایجنڈے پر کام نہیں کر رہے۔ ان کی پارٹی ترکی کا سیکولر تشخص برقرار رکھے گی اور آئینی اقدار کا احترام کرے گی' لیکن فوج کی طرف سے بھی اعلان آیا ہے' ہم دیکھیں کہ نئی حکومت ایسا کرے گی یا نہیں۔ فوج بہرصورت اپنا سیکولر کردار ادا کرے گی۔ انصاف و ترقی پارٹی کے نائب صدر نوجوان سیاسی قائد اور فعال شخصیت عبداللہ گل کو وزیر اعظم مقرر کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کابینہ بھی بنالی ہے اور بیان دیا ہے کہ ترکی عالم اسلام اور مغرب کے درمیان مضبوط پل کا کام کرے گا۔ اس پل کی مضبوطی کے لئے جمہوری و اسلامی اقدار کی پاسداری بہت ضروری ہے۔

انسانی کمزوریاں۔ قرآن کی نظر میں

مسرت پروین

آج کے دور میں بے چینی اور اضطراب بہت عام ہے۔ اکثریت میں عدم تحفظ کا احساس اور تحمل کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ راتوں رات امیر بن جانے کی خواہش نے ہم سب کو نفس کا غلام بنا دیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر خونی رشتے' مضبوط دوستیاں' خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی کمزوریوں سے لاعلم ہیں جبکہ اپنی کمزوریوں کو دور کئے بغیر ہمارے اندر دوسروں کو معاف کرنے اور ان کی خامیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ وصف پیدا نہ ہو تو معاشرے میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

انسان کے بارے میں قرآن مجید کا فرمان ہے کہ اسے کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ گویا کمزوری انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اس لئے دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت ہمیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کمزور ہیں اور ہمارے رویئے میں سختی نہیں ہونی چاہئے۔ انسان گناہ گار بھی ہے۔ ایک حدیث نبوی کے مفہوم کے مطابق دنیا میں گناہ گاروں کے خلاف غصے اور نفرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے افراد میں یہ احساس اور شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہئے کہ انسان اور فرشتے میں واحد فرق یہی ہے کہ اول الذکر خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے۔ انسان کو تو خطا کا پتلا کہا جاتا ہے' اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ بہترین تعلقات رکھنے کے لئے ہمیں عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان ناشکرا ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ احساس محرومی کا شکار رہتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ مادی حوالے سے تم اس کو نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے' بلکہ اپنے سے کمزور آدمی کو دیکھ کر شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے تو وہ اور زیادہ نعمتیں عطا کرتا ہے۔ اللہ کی رضا اس میں ہے کہ کسی نعمت کی ناقدری اور اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔ جو نعمت بھی حاصل ہو' اس کے متعلق انسان یہ خیال ہرگز نہ کرے کہ یہ میری قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے بلکہ اسے اللہ کا انعام اور فضل خیال کر کے شکر ادا کرے' ورنہ دنیا میں ایسے بہت سے قابل اور محنتی لوگ موجود ہیں جن کی زندگی میں مصائب ہی مصائب ہیں۔ ایسے لوگ جو تنگی اور تکلیف کو قدرت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں اور حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے' صابر اور شاکر کہلاتے ہیں اور یہی اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔

سورۂ روم میں فرمان الٰہی ہے کہ انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ مایوسی ہی انسان کو خودکشی کی طرف لے جاتی ہے اس لئے برے حالات میں بھی روشنی کی امید قائم رکھنی چاہئے اور دعا کے ذریعے طاقت حاصل کرنی چاہئے۔ اگر کوئی انسان مایوس نظر آئے تو اسے حوصلہ دینا چاہئے تاکہ اسے تنہائی کا احساس نہ ہو۔ لوگوں میں امید کی کرنیں پھیلانا اور انہیں زندگی کے روشن پہلوؤں کی جانب متوجہ کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

قرآن مجید میں انسان کی ایک کمزوری یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ جھگڑالو ہے۔ اس میں انانیت اور خودغرضی کا مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اچھا انسان وہ ہے جو خود دوست بنتا ہے اور دوسروں کو دوست بناتا ہے۔ ہمارے دین میں غصہ پر قابو پانے کی بہت تلقین کی گئی ہے۔ فضول بحث و تکرار سے جھگڑا بڑھتا ہے اور دلوں میں رنجش پیدا ہو جاتی ہے' اس لئے بحث سے گریز کرنا چاہئے۔

قرآن حکیم کی رو سے انسان بہت ''جلد باز'' ہے۔ ہمیں کوئی بھی فیصلہ عجلت و جلد بازی میں کرنے کی بجائے پرسکون ہو کر اور غور و فکر کے بعد کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے اپنے سے بہتر سمجھ بوجھ والے افراد سے صلح اور مشورہ بھی کر لینا چاہئے' ورنہ بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ انسان صبر سے کام لے اور جلد بازی نہ کرے تو بڑے بڑے نقصانات سے بچ سکتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک سورہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان بڑا ''کنجوس'' ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ مال و دولت سے محبت رکھنے والوں کا تذکرہ ہے اور ان کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ مال خرچ کرنے کی عادت پیدا کریں۔ اسلام ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں دوسروں کو دینے کا کلچر ہو' اس لئے ہمارے دین میں تحفے دینے اور صدقہ و خیرات کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ انسان اپنی جان خدا کی راہ میں خرچ کر دے جبکہ اس کے بعد مال خرچ کرنے والوں کا درجہ ہے۔ یہ ترغیب اس لئے دی گئی ہے کہ ہم ہوس مال میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے' اسے صرف اپنی ذات پر خرچ نہ کر ڈالیں بلکہ ضرورت مند لوگوں کا حق ادا کریں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنے سے معاشرے میں خودبخود امن و آشتی کا ماحول پیدا ہوگا۔

انسانی ذہن کی کمزوری ہے کہ وہ وسوسوں اور خدشات کا شکار ہو جاتا ہے' اس لئے قرآن میں شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ وسوسے نہ صرف انسان کو خوفزدہ بھی کرتے ہیں بلکہ اسے دوسروں کے بارے میں وہم اور غلط فہمی کا شکار بھی بناتے ہیں۔ انسان اپنے مستقبل کے بارے میں بھی اندیشوں میں گھرا رہتا ہے کہ آج تو روزی مل رہی ہے' کل کیا ہوگا! رزق کی تنگی کا خوف انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ان تمام وسوسوں کا علاج یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو مضبوط بنائے۔

اگر انسان قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرے اور اپنی اور دوسروں کی کمزوریوں سے واقف ہو جائے تو وہ عقل و دانش اور سمجھداری کا پیکر بن سکتا ہے۔ اگر ہم انفرادی طور پر اپنی تربیت خود کریں گے تو نہ صرف دینی اور دنیاوی اعتبار سے کامیاب ہوں گے بلکہ ایک خوبصورت معاشرہ ترتیب دینے میں اپنا حصہ بھی بخوبی ادا کر سکیں گے۔ ان شاء اللہ! بقول محسن بھوپالی۔

ہماری جان پہ یہ دہرا عذاب ہے محسن
کہ ہم کو دیکھنا ہی نہیں' سوچنا بھی ہے

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کے قلم سے
قرآن و سنت کے دلائل سے مزین
مسائل عیدین
اہم خصوصیات:
☆ اس کتاب کی اساس قرآن حکیم و سنت صحیحہ ہے۔ ☆ احادیث نبویہ صحیحہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ☆ کتب تفسیر و شروح احادیث کی مدد سے مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ☆ اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کے موافق آراء ذکر کی گئی ہیں۔ ☆ حضرات صحابہؓ کے ثابت شدہ اقوال و افعال اور جید علماء امت کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
جاذب نظر سرورق' معیاری طباعت' اعلیٰ کاغذ
صفحات 100 قیمت:-/40روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ رحمان مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 7351124

"نپولین اور اسلام"

نئی کتاب کا تعارف

سید قاسم محمود

ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور سے چل کر بدست قاسم خان صاحب بطور ہدیہ موصول ہونے والی یہ کتاب بڑے سنہری موقع پر شائع ہوئی ہے۔ امریکا کا موجود متعصب آتشیں مزاج اور دہشت گرد صدر جارج بش قدم قدم پر مسلمان اور عالمِ اسلام کے خلاف اپنے خبثِ باطن اور بغض ومخاصمت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اُسے اُسی کے کسی ہم مذہب اور ہم عقیدہ حکمران کی زبان میں اخلاق وتہذیب کا راستہ دکھانے کی ضرورت ہے۔ زیرِ نظر کتاب درحقیقت ایک آئینہ ہے جس میں جارج بش اپنی صورت دیکھتا ہے تو اُسے اپنے روبرو نپولین کی تصویر نظر آتی ہے۔

یہ کتاب پہلے 1914ء میں چھپی تھی جب مغربی استعمار اپنے عروج پر تھا لیکن مسلمانوں یا نپولین کے ہم قوم فرانسیسیوں نے اس کتاب سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہ کتاب گوشۂ گم نامی میں چلی گئی تھی۔ پہلے فرانسیسی زبان میں چھپی تھی اب اس کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر کوالالمپور کے ایک ناشر نے چھاپا ہے۔ اس کا موضوع اسلام، مسلمان، قرآن اور رسولِ کریم ﷺ سے نپولین کا غیر معمولی عشق ہے۔ اس مقصد کے لئے سرکاری ریکارڈ سے ایسی دستاویزات اور اُس کے مکتوبات سے جن کی اب تک 32 جلدیں چھپ چکی ہیں ایسے اقتباسات چار طویل ابواب میں جمع کئے گئے ہیں جن کا تعلق اسلام سے نپولین کی محبت ہے۔

دیباچہ نگار ڈیوڈ موسیٰ پڈکاک لکھتا ہے کہ انگریزوں نے اپنے مفتوح ہٹلر کی طرح نپولین کی شخصیت اور اُس کے عقائد ونظریات کے خلاف ایسا زہریلا پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ اب وہی سچ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اب خود انگریزوں کے "مفتوح" ہونے کے بعد نپولین کے خلاف اُن کی تشہیری حقیقت کا راز فاش ہو رہا ہے۔ مثلاً انگریزوں نے مشہور کیا کہ "نپولین بڑا سخت گیر اور مطلق العنان فرماں روا تھا جس نے عوام کے لئے کوئی مفید کام نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس کی آئینی وقانونی اصلاحات گویا ایک صدی آگے تھیں۔ اُس نے جمہوری انقلابی آئین بنایا تھا، تین منتخب اسمبلیاں بنائی تھیں، ہر نئے قانون کو منظوری کے لئے ان تینوں اسمبلیوں کے غور وفکر اور بحث مباحثے سے گزرنا پڑتا تھا۔ اُس نے آزاد اور خود مختار عدالت اپیل بنائی تھی۔ تین قونصل منتخب ہوتے تھے جن کا انتخاب ہر تین سال کے بعد ہوتا تھا۔ اپنے وضع کردہ آئین کو اُس نے عوامی ریفرنڈم کے لئے پیش کر دیا جس کے خلاف 1562 اور حق میں تیس لاکھ گیارہ ہزار سات ووٹ پڑے۔ اُس کا بنایا ہوا دستور العمل "کوڈ نپولین" آج بھی فرانس، بلجیم اور لکسمبرگ کے قوانین پر چھایا ہوا ہے۔ "کوڈ نپولین" کا 96 فی صد حصہ اسلامی فقہ اور اصولِ قانون پر مبنی ہے۔

نپولین (1769-1815ء) کو سُود سے جو نفرت تھی اُس کی بنیاد بھی اُس کا قرآن کا گہرا مطالعہ تھا۔ اُسے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی اُس کی پسندیدہ کتابیں اُس کے ہمراہ ہوتی تھیں جن میں خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کو اولیت وفضیلت حاصل تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنا "کوڈ" مرتب کرواتے وقت ہر شق میں آیاتِ قرآنی سے روشنی اور ہدایت حاصل کی۔ نپولین کو جب بنک آف انگلینڈ کے قرضوں اور سُود کی سالانہ رپورٹ پیش کی گئی تو اُس نے کہا: "تعجب ہے اب تک سُود کے بھوت نے اب تک پوری دنیائے انسانیت کو کیوں ہڑپ نہیں کیا"۔ پھر اُس نے یہودیوں کو چند مراعات کے عوض سُود کی لعنت ترک کرنے پر مجبور کیا۔ دیباچہ نویس نے "گزٹ نیشنل" کی سرکاری سرخیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ نپولین نے 6 دسمبر 1798ء کو اپنے قبولِ اسلام اور نئے اسلامی نام "علی بونا پارٹ" کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا۔

کتاب کے تیسرے باب میں جامعہ الازہر میں مصر کے شیوخ وعلماء سے نپولین کی ملاقات کا احوال درج ہے جس کے مطابق اُن کے ترجمان نے نپولین سے کہا: "آپ رسولِ کریم ﷺ کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ آپ اُن سے اپنے قلبی لگاؤ کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ اپنے پرچم تلے مسلم عربوں کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں، آپ عربوں کی نشاۃ ثانیہ چاہتے ہیں اور آپ کافر بھی نہیں ہیں تو پھر آپ اسلام قبول کر لیجئے۔ ایک لاکھ مصری اور ایک لاکھ عرب آپ کے ساتھ ہوں گے"۔ نپولین نے کہا: "مگر اس راہ میں دو بڑی مشکلات حائل ہیں۔ ایک تو رسم ختنہ اور دوسرے شراب۔ میرے ساتھ جو لاؤ لشکر ہے ہر سپاہی بچپن ہی سے شراب کا عادی ہے۔ انہیں شراب نوشی کے خلاف ترغیب دینا بہت مشکل ہے"۔

شیوخ کی تجویز پر طے پایا کہ یہ مسئلہ عوام کی خدمت میں پیش کیا جائے اور اس پر اہلِ حکمت ودانش کو تدبر وتفکر کی دعوت دی جائے۔ چالیس دن تک مصر کی مسجدوں میں اس مسئلے پر بحث ہوتی رہی کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ بالآخر چار بڑے مفتیوں کے دستخط سے فتویٰ جاری ہوا کہ مسلمان "مسلمانی" کے بغیر بھی مسلمان رہ سکتا ہے۔ مسلمان شراب پی کر بھی مسلمان رہ سکتا ہے لیکن یہ بہر حال گناہ ہے۔

نپولین نے کہا فتوے کا پہلا جزو تو ٹھیک ہے لیکن سپاہی نیا مذہب قبول نہیں کریں گے جو شراب نوشی کو گناہ خیال کرتا ہے۔ تب ایک نیا فتویٰ لایا گیا جس میں کہا گیا کہ نومسلم شراب پی سکتے ہیں بشرطیکہ اس گناہ کا کفارہ وہ صدقہ خیرات اور اعمالِ صالحہ سے کریں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شراب ترک کر دیں تو اچھی بات ہے ورنہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) خیرات کریں۔

نپولین کو رسولِ کریم ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ آپؐ کی سیرت کے دفاع میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اسلام کے شیدائی جرمن شاعر گوئٹے سے اُس کی ملاقات ہوئی تو اُس سے آنحضور ﷺ کی حدیث پر بھی گفتگو ہوئی۔ نپولین نے والٹیئر کا ڈراما "محمدؐ" دیکھا تو اُس پر پوری جزئیات کے ساتھ تنقیدی مضمون تحریر کیا۔

اپنے ایک مکتوب میں نپولین نے لکھا: "مجھے اُمید ہے کہ اب وقت آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی جب میں ملک کے تمام اہلِ علم ودانش کو متحد کرنے اور قرآنی احکام واُصول کی اساس پر ایک مستحکم ومضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، کیونکہ قرآنی احکام ہی واحد صداقت ہیں اور صرف اور صرف قرآن ہی انسانیت کے لئے خوشی اور خوشحالی لا سکتا ہے"۔

کاش کوالالمپور کا پبلشر اس کتاب کی ایک کاپی امریکا کے جنونی صدر جارج بش کو بھی بھجوا دے۔ میں نے اس کے ناشر کو اس درخواست کے ساتھ ایک خط لکھ دیا ہے۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

نقشِ ثانی، نقشِ اوّل سے بہتر ہے

محترم مدیر ''خلافت'' سلام مسنون!

''ندائے خلافت'' کی علامہ اقبال مرحوم پر اشاعتِ خصوصی کا آپ نے بہت انتظار کرایا۔ لیکن دیر آید درست آید۔ بلکہ بہت ہی درست آید۔ ایک ایک دن انتظار میں کاٹا اور ہم کراچی کے قارئین کو آج 16 نومبر کو تراویح کے بعد موصول ہوا اور جلد جلد اس کی ورق گردانی کی۔ بہت شاندار پرچہ نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین! پہلا فلسطین نمبر تھا اور اب اقبال نمبر۔ نقش ثانی نقشِ اول سے بہتر ہے۔ میرے مجاہدو! اسی طرح قدم آگے بڑھائے جاؤ۔

چراغِ زندگی ہوگی فروزاں ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہوں گے
جوانو! اب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے
تمہی ہوگے فروغِ بزمِ امکاں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ہم نہیں ہوں گے

میرے مضمون ''......اور میں نے اقبال کو پالیا'' کے سلسلہ میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ:

''سونے پر سہاگہ یہ کہ پڑھانے والا بھی ہمیں اقبال ہی ملا۔ اقبال صاحب ہمارے کلاس ٹیچر تھے جنہوں نے بعد میں ڈاکٹریٹ کیا اور اب ایف۔ سی کالج لاہور میں استاد ہیں۔''

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ مضمون میں نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا جب وہ حیات تھے۔ چند سال قبل ان کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم قرآن اکیڈمی کے قریب ہی رہتے تھے۔ لاہور جانا ہوتا تھا تو ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کے خاکی شبستاں کو نور سے معمور کردے۔

اتنا شاندار پرچہ نکالنے پر ایک دفعہ پھر دلی مبارکباد۔

والسلام

قاضی عبدالقادر، کراچی

پیامِ اقبال نمبر: دریا کردیا کوزے میں بند

''ندائے خلافت'' کے ایڈیٹر اور سٹاف کی لگن کے طفیل حالیہ شمارے ''پیامِ اقبال نمبر'' پر دریا کردیا کوزے میں بند کی مثال صادق آتی ہے۔ علامہ اقبال نے زندگی کے آخری سانس تک برطانوی حکومت اور تہذیب مغرب کے خلاف جہاد کیا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم جیسے عظیم افراد کسی بھی قوم کو تب میسر آتے ہیں جب قدرت اس پر مہربان ہوا کرتی ہے۔ آج ہمیں ایسے عظیم لوگ اس لئے میسر نہیں ہیں کہ 1947ء میں اسلام کا قلعہ وجود میں آنے کے باوجود اسلام بے گھر ہی رہا اور افغانستان پر امریکی جارحیت کے دنوں میں بانیٔ تنظیم اسلامی کو اپنے ایک خطبۂ جمعہ میں یہ کہنا پڑا کہ ''آج اقبال جیسا کوئی شاعر بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے جو اس سانحے پر نوحہ کہہ سکے''۔ اگر علامہ اقبال آج ہمارے درمیان ہوتے تو نجانے ان کے نوحے کی شدت کیا ہوتی! یوں تو آج ہمارے پاس شاعروں کی بھرمار ہے لیکن افسوس کہ انہوں نے علامہ اقبال کی فکر سے استفادہ کرکے ملک وملت کی کوئی خدمت نہیں کی۔ آج جبکہ عراق کے بعد پاکستان، ایران، لیبیا اور الجیریا کے ناموں پر بھی امریکہ سرخ دائرہ بنا چکا ہے اہلِ وطن کی آسائش پسندی اور دکھاوے دیکھ کر علامہ اقبال کا یہ دردمند شعر یاد آتا ہے جو انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چند طلباء کی آسائش پسندی دیکھ کر کہا تھا کہ:

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی!

اسی زمانے میں گاندھی نے یونیورسٹی کا دورہ کرتے ہوئے کہا تھا میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس درسگاہ میں عمر فاروقؓ پیدا نہیں ہوسکتے۔ ہماری دعا ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کی فکر ''فکرِ اقبال'' ہوجائے۔

رعنا ہاشم خان، شکاگو

اے وقت کے فرعونو، سن لو!

محمد سمیع، کراچی

تم کتنے ''کاسی'' مارو گے — تم کتنے ''ملا'' ڈھونڈو گے
تم کتنے ''اسامہ'' پکڑو گے — تم قید کروگے کتنے ''ضعیف''
ہوں پھول سے بچے فلسطیں کے — یا دوشیزائیں ہوں ''وادی'' کی
جانباز بھی ہوں یہ چیچن کے — یا بوسنیا کے ہوں معصوم
یہ حق کی گواہی کی خاطر — یہ خون کا بہتا ہر قطرہ
رنگ لائے گا اک دن آخر — مٹ جائے گا جب ہر جابر
قوت کو سمجھتے ہو عظمت — قوت ہی گر ہوتی عظمت
فرعون نہ مٹتا دنیا سے — نمرود نہ بنتا نشانِ عبرت؟
اپنے بھی سن لیں کہ اک دن — جب حشر مچے گا دنیا میں
جس طرح کہ تم نے دنیا میں — اپنوں کو حوالے ان کے کیا
تم کو بھی ہانکا جائے گا — اور پیشی ہوگی عدالت میں
وہ ایسی عدالت کہ جس میں — فدیہ کوئی کام نہ آئے گا
سخت ہوگی رب کی اتنی پکڑ — کوئی نہ چھڑا پائے گا تمہیں
اس دن کے آنے سے پہلے — اللہ سے کرلو تم توبہ
توبہ کہ جس کے نتیجے میں — توحید کا ڈنکہ پھر سے بجے
سب بت گر جائیں اوندھے منہ — ہر ظلم کا نام و نشان مٹے

استاد ـــــ ایک معمارِ قوم

ـــــ تحریر: شیراز خان' شلبانڈی (بونیر) ـــــ

تعلیم کا مقصد نسل انسانی کی تربیت ہے۔ انبیاء علیہ السلام کے عظیم فرائض میں یہ فرض بھی شامل رہا ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں معاشرے کے کچھ افراد اور شعبے اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ گھر میں والدین بچوں کے علم کا ذریعہ بنتے ہیں۔ گھر سے باہر کا ماحول اپنے طور پر بچوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات' رسائل' ریڈیو' ٹیلی ویژن' وی سی آر وغیرہ کے اثرات بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ لیکن جو اہمیت ایک استاد کو حاصل ہوتی ہے' وہ شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ قوم کے مستقبل کی تعمیر کا بار ان ہی کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ استاد کی مثال ایک کسان کی سی ہے جو زمین میں ہل چلاتا ہے' بیج بوتا ہے' زمین سیراب کرتا ہے' شب و روز اس کی دیکھ بھال کرتا ہے اور تب جا کر فصل تیار ہوتی ہے۔ وہ ایک مالی کے مشابہ ہے جو باغ میں ایک خاص ترتیب سے پودے لگاتا ہے' ان کی نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے اور پھر اس کی محنت کے نتیجے میں باغ کے اندر طرح طرح کے پودے لہلہاتے ہیں اور نرم نازک شاخوں سے رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ اور پھر وہ ایک معمار کی مانند ہے جو گری ہوئی اینٹوں کو اس ترتیب سے چن دیتا ہے کہ اینٹوں کا بے ترتیب انبار ایک خوشنما عمارت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ استاد کسان ہے' اس کی کھیتی انسانیت ہے۔ وہ مالی ہے' اس کا باغ انسانی معاشرہ ہے۔ وہ معمار ہے' اس کی عمارت قوم ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو استاد کا درجہ کسان' مالی اور معمار سے کہیں آگے ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نئے انسان کی تشکیل کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؂

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
اس کی صنعت ہے روح انسانی

بے شک اساتذہ کرام ہی وہ قوت ہیں جو کسی قوم کی قسمت کو بنا سکتے ہیں۔ قوموں کا اصل سرمایہ ان کے نظریات اور اعتقادات ہوتے ہیں۔ جو قومیں اپنے نظریئے پر پختہ یقین اور ایمان رکھتی ہیں' وہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے بہت آگے نکل جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اپنے نظریئے کو بھلا دینے والی اقوام دوسروں کی محتاج بن جاتی ہیں۔ وہ زیادہ دیر تک اپنا علیحدہ تشخص اور وجود برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ اس کی مثالیں ہم زمانہ قریب کی تاریخ میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ چین ہم سے دو سال بعد آزاد ہوا' لیکن اس قوم کو اپنے نظریات پر پختہ یقین تھا۔ چنانچہ آج چین دنیا کی ایک بڑی طاقت ہے۔

ہم نے 55 سال پہلے اگرچہ نظریات ہی کی بنیاد پر آزادی حاصل کی تھی لیکن قوم نے جلد ہی نظریات کو بھلا ڈالا اور نسلی' لسانی اور علاقائی تعصبات میں گھر گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اپنے وجود کو بھی صحیح طور پر برقرار نہ رکھ سکے۔ نظریات کے حقیقی امین اساتذہ کرام ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی ملک کی افواج اس کی جغرافیائی سرحدوں کی محافظ ہوتی ہیں اسی طرح اساتذہ کرام قوم کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارا مشرقی حصہ ہم سے صرف اس لئے علیحدہ نہیں ہوا تھا کہ ہماری ملکی سیاست' ہندوستانی سیاست سے شکست کھا گئی تھی بلکہ اس میں اس بات کو بھی بڑا دخل تھا کہ وہاں کے مسلمان اساتذہ نظریاتی سرحدوں سے غافل رہے۔ کسی ملک نے جب بھی کسی دوسرے ملک پر قبضہ کیا ہے' سب سے پہلے اس نے وہاں کے نظام تعلیم پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے' خصوصاً سامراجی قوتوں کا یہی انداز تھا۔ چرچل خود یہ بات کہا کرتے تھے کہ ''واٹرلو کی جنگ ہم نے میدان جنگ میں نہیں' سکولوں کے میدان میں جیتی ہے''۔ اسی طرح ہم نے مشرقی پاکستان کو میدان جنگ میں نہیں' سکولوں کے میدانوں میں کھویا ہے۔ اگر کسی قوم کے اساتذہ بیدار مغز' محب وطن اور مشنری جذبہ کے حامل ہوں تو وہ قوم کو آسمان کی بلندیوں تک اٹھا سکتے ہیں۔ سکندر اعظم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے استاد ارسطو کی اپنے باپ سے بھی زیادہ قدر کرتا تھا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا ''میرا باپ مجھے اس دنیا میں لانے کا سبب بنا تھا جبکہ میرا استاد مجھے آسمانوں پر اٹھانے کا سبب بنا ہے۔'' اب ہم اس عظیم ہستی کے چند فرائض جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن کو انسانی معاشرے کی تشکیل میں انتہائی دخل حاصل ہے۔

(1) مقصد زندگی سے آگاہی: استاد کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد زندگی سے باخبر ہو۔ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کی زندگی کا مقصد دنیا بنانا نہیں ہے بلکہ اس مشن کی تکمیل ہے جو انبیاء علیہ السلام کا تھا۔

(2) باطل نظریات سے آگاہی اور ان کے رد کی صلاحیت: استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ ماحول میں پائے جانے والے باطل نظریات سے بھی پوری طرح باخبر ہو۔ سوشلزم کیا ہے؟ کیمونزم کیا ہے؟ فرائڈ نے نظام کائنات اور اس میں انسانی رویوں کی کیا توجیہات بیان کی ہیں؟ کارل مارکس قوموں کے عروج و زوال کے حوالے سے کیا نظریات پیش کرتا ہے؟ انسانی وجود' اس کی بقا اور نشوونما کے بارے میں ڈارون کا نقطہ نظر کیا ہے؟ ایسے باطل نظریات کے بارے میں آگاہی کے ساتھ ساتھ استاد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا موثر انداز میں رد کیسے ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دینی لٹریچر کا مطالعہ کرنا اشد ضروری ہے۔

(3) مروجہ نصاب میں صحیح عقیدہ کے خلاف باتوں کی نشاندہی: استاد کا جہاں یہ فرض ہے کہ وہ اپنا کام خوب محنت سے کرے' وہاں اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ نصاب میں موجود ان چیزوں کی نشاندہی کرے جو اسلامی عقائد کے خلاف ہوں۔ اسے چاہئے کہ وہ تدریس کے دوران مناسب انداز میں ان کا رد بھی کرتا جائے' اور اسلامی نقطہ نظر واضح کرتا جائے۔

ضرورت رشتہ

☆ عمر 37 سال' تعلیم بی اے/ بی ایڈ' اردو سپیکنگ' شیخ صدیقی فیملی کی خاتون کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: لاہور فون: 6862788

☆ تحریکی ذہن رکھنے والے ایک صاحب قلم عالم دین کی 22 سالہ بیٹی کے لئے صحیح العقیدہ دینی گھرانے کے برسر روزگار تعلیم یافتہ نوجوان کا رشتہ مطلوب ہے۔ بچی فاضل عربی اور درس نظامی کی تکمیل کر چکی ہے اور امسال وفاق المدارس السلفیہ کا امتحان دے رہی ہے۔
رابطہ: خالد محمود خضر' پوسٹ بکس 5166' ماڈل ٹاؤن' لاہور

☆ ایک گورنمنٹ آفیسر کی تین بیٹیاں' رفیقات تنظیم' صوم و صلوٰۃ اور پردہ کی پابند' عمریں 25' 23 اور 21 سال' تعلیمی قابلیت بالترتیب:
(1) ایم اے انگلش گولڈ میڈلسٹ (ایک تحریکی انگلش میڈیم ادارے کی پرنسپل)
(2) بی اے (دراز قد' انتہائی سفید رنگت)
(3) انٹرمیڈیٹ مع عربی اسلامیات
ذات پات کی قید سے بالا ہم پلہ صالح نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں۔
رابطہ: ع ش' معرفت پوسٹ بکس 5166' ماڈل ٹاؤن' لاہور

جبی دارالسلام میں تفہیم دین پروگرام

تنظیم اسلامی میرپور' آزاد کشمیر کے زیر اہتمام یہ پروگرام 26 تا 30 ستمبر منعقد ہوا۔ پہلے دن پروفیسر عبدالباسط نے سورۃ العصر کی روشنی میں بتایا کہ ایمان' اعمال صالح' تواصی بالحق اور صبر کی تلقین کرنے ہی سے انسان خسارے سے بچ سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے امام شافعیؒ کے اس قول کا حوالہ بھی دیا کہ اگر اللہ کی کتاب میں سوائے العصر کے اور کچھ نازل نہ ہوتا تو لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ بھی کافی تھا۔ دوسرے روز ''نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر پروفیسر عطاء الرحمٰن صدیقی نے خطاب کیا۔ ان کے بعد جناب ممتاز الحسن نے حدیث کی روشنی میں جھوٹ' وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی سے بچنے کے متعلق بتایا۔ تیسرے روز ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر راقم نے گفتگو کی۔ چوتھے روز جناب ظفر اقبال نے ''غلبۂ دین کے نبوی طریق کار'' کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے انقلاب نبوی کے چھ مراحل کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ آخری روز جناب قاضی محمود اختر نے ''اجتماعیت اور بیعت'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی انقلاب بیعت سمع وطاعت والی جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔

تنظیم اسلامی میرپور کے امیر جناب سید محمد آزاد روزانہ ہر موضوع پر مزید وضاحت کے لئے پندرہ منٹ گفتگو کرتے رہے۔ اس کورس میں شرکاء کی روزانہ اوسط حاضری 10 رفقاء اور 13 احباب رہی۔ (رپورٹ: غلام سلطان)

انجمن خدام القرآن جھنگ کی دعوتی سرگرمیاں

ماہ ستمبر

اس ماہ میں بھی انجمن خدام القرآن جھنگ کے زیر اہتمام دعوتی و تربیتی پروگرام باقاعدگی سے منعقد ہوئے۔ صدر انجمن محترم مختار حسین فاروقی کماحقہٗ یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ دو خطبات جمعہ میں حاضری کافی ہو جاتی ہے۔ مسجد بلال' کالج روڈ میں عربی کلاس کے مدرس کے فرائض بھی صدر انجمن ہی ادا کر رہے ہیں۔ دروس قرآن کی نشستوں میں ''قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' زیر درس ہے' جس میں نوجوانوں کی حاضری تسلی بخش رہتی ہے۔

مقامی انجمن کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں قرآن اکیڈمی کے قیام وتعمیر اور انجمن کے عام اراکین میں اضافہ کے لئے گفتگو ہوئی۔ اس وقت 75 سے زائد حضرات وخواتین انجمن کے رکن ہیں' جن میں اکثر کی اعانت باقاعدہ ہے۔ اس ماہ خط وکتابت کورسز کے لئے رابطہ مہم بھی شروع کی گئی۔ توقع ہے خط وکتابت کورسز میں داخلہ لینے سے جھنگ میں کام کی بنیاد بن سکے گی۔

ماہ اکتوبر

4 اکتوبر کے خطبہ جمعہ کا عنوان ''اسلامی شادی'' تھا۔ حاضری تسلی بخش رہی۔ دروس قرآن کی نشستیں بحمداللہ رجوع الی القرآن کی تحریک کو تقویت دے رہی ہیں' جہاں سے صراط مستقیم کے طلبگار اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ 11 اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مومن کے کردار پر روشنی ڈالی گئی۔ صدر انجمن محترم مختار حسین فاروقی کا آسان طرز بیان عوام الناس میں جذبہ وحرکت پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس کام میں شمولیت سعادت سمجھتے ہیں۔

اللہ کے فضل وکرم سے قرآن اکیڈمی کے قیام وتعمیر کے سلسلہ میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ قانونی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے ایک صبر آزما دور سے گزرنا پڑا ہے۔ ایک اجلاس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ کی جھنگ آمد اور اکیڈمی کے سنگِ بنیاد کے بارے میں پروگرام سے آگاہ کیا گیا۔

27 اکتوبر کے درسِ قرآن میں استقبالِ رمضان کے عنوان سے اظہارِ خیال کیا گیا۔ اس حوالے سے سورۃ البقرہ کی آیت 185 زیر مطالعہ رہی۔ حاضری کافی تھی۔ اللہ سبحانہٗ ہماری ان حقیر سی کوششوں میں خلوص ورضا کا رنگ بھرے اور ہمیں دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب فرمائے! (رپورٹ: محمد انور سعید)

تنظیم اسلامی گجرات کے زیر اہتمام پانچ روزہ تفہیم دین کورس

اس کورس کا انعقاد 26 تا 30 ستمبر جامع مسجد تقویٰ میں کیا گیا۔ تشہیر کی غرض سے شہر کی مساجد میں 2000 ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔ معروف چوراہوں میں چار عدد بڑے بینرز آویزاں کئے گئے اور احباب کو ذاتی ملاقاتیں کر کے بھی دعوت دی گئی۔

پہلے دن ''راہ نجات'' کے موضوع پر جناب خادم حسین نے خطاب کیا۔ دوسرے دن مسجد تقویٰ کے امام اور رفیق تنظیم جناب احسان اللہ انصاری نے ''نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کو موضوعِ سخن بنایا۔ تیسرے اور چوتھے دن جناب خادم حسین نے بالترتیب ''فرائضِ دینی کا جامع تصور'' اور ''غلبۂ دین کا نبوی طریقِ کار'' کے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی۔

آخری دن تنظیم اسلامی کے ناظمِ اعلیٰ محترم ڈاکٹر عبدالخالق ''اسلام میں اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب کے لئے خاص طور پر لاہور سے تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں گزشتہ چار دنوں کے دوران ہونے والی تمام گفتگو کا خلاصہ بیان کرنے کے ساتھ ان کا باہمی ربط واضح کیا اور اس کے بعد غلبۂ دین کی جدوجہد کے لئے منظم جماعت کی ضرورت یعنی بیعت سمع وطاعت کی اہمیت کو واضح کیا۔ بعد ازاں دعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا اور نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے فوراً بعد محترم ڈاکٹر عبدالخالق نے رفقاءِ تنظیم سے خصوصی ملاقات کی اور انہیں بانی امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ کے امارت تنظیم سے مستعفی ہونے اور جناب حافظ عاکف سعید کے امارت سنبھالنے سے متعلق مختصراً بریف کیا۔ انہوں نے نئے بیعت فارم پُر کر کے جلد از جلد بھجوانے کی تلقین کی اور کہا کہ چونکہ موجودہ عالمی حالات اسلام کے لئے کام کرنے والوں کے لئے ناموافق ہوتے جا رہے ہیں' لہٰذا ایسے میں ہمیں زیادہ تندہی اور محنت کے ساتھ اسلام کے انقلابی فکر کو لوگوں کے اذہان میں راسخ کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

تفہیم دین کورس میں پانچوں دن رفقاء واحباب کی اوسط حاضری 50 رہی۔ (رپورٹ: عبدالرؤف)

مرکزی ناظم دعوت وتربیت کا گوجرخان میں خطابِ جمعہ

تنظیم اسلامی گوجرخان کی دعوت پر مرکزی ناظم دعوت و تربیت جناب رحمت اللہ بٹر نے یکم نومبر کو مسجد العابد' گوجرخان میں ''رمضان اور قرآن'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے رمضان اور قرآن کے گہرے تعلق کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اسی ماہِ مبارک میں قرآن حکیم کا نزول ہوا' جس کی بنا پر اس ماہ کو باقی مہینوں پر فضیلت حاصل ہوئی۔ اسی ماہ میں مسلمانوں پر روزے فرض کئے گئے۔ رمضان میں دن کا روزہ اور نماز تراویح میں رات کا قیام انسانی روح کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔

قرآن اللہ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے اور اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن دلوں پر پڑے ہوئے پردے ختم کرتا ہے اور اللہ اور انسان کے درمیان براہِ راست تعلق قائم کرتا ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو اس سے رہنمائی کے طالب ہوں۔ قرآن حکیم محض اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ بلا سمجھے اور ثواب کے حصول کی خاطر اس کی تلاوت کی جائے بلکہ اسے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تاکہ وہ اس پر عمل کر کے اللہ کی رضا حاصل کریں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور روزہ سفارش کرے گا کہ اس بندے نے سارا دن بھوک پیاس برداشت کی اور اپنی خواہشات اور شہوات کو قابو میں رکھا' جبکہ قرآن سفارش کرے گا کہ یہ بندہ میرے لئے رات کو اپنی نیند اور آرام قربان کر کے کھڑا رہا۔ قیام اللیل ایک تہائی' نصف یا دو تہائی رات تک ہے۔ اس کے لئے نیند اور آرام کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اگر سونے کے معمول کے اوقات سے قبل ہی نماز تراویح ختم کر لی جائے تو یہ قیام اللیل نہیں ہوگا۔ (رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

ضرورت رشتہ

اہل حدیث مسلک سے متعلق دو لڑکیوں کے لئے دینی مزاج کے رشتے مطلوب ہیں۔

1۔ عمر 24 سال' تعلیم ایم ایس سی' ہوم اکنامکس

2۔ عمر 27 سال' تعلیم ایم اے عربی اور اسلامیات

☆☆☆

دینی مزاج اور باعمل 26 سالہ بیوہ تعلیم بی اے' دو بچوں کی ماں کے لئے دینی مزاج کا رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ پشاور: 091/853972

امیر حلقہ سندھ (زیریں) کا دورۂ حیدر آباد

حلقہ سندھ (زیریں) کے امیر جناب محمد نسیم الدین نے اپنے گزشتہ دورۂ حیدر آباد کے دوران یہ فیصلہ کیا تھا کہ 28 اکتوبر کی سہ پہر پریس کلب' حیدر آباد کے سامنے عراق کے حوالے سے امریکہ کے جارحانہ عزائم کے خلاف مظاہرہ کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ' راقم اور جناب محمد علی 28 اکتوبر کو صبح گیارہ بجے حیدر آباد روانہ ہوئے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق رفقاء پوسٹ آفس والی مسجد میں نماز ظہر کی ادائیگی کے لئے موجود تھے۔ وقت مقررہ پر مظاہرہ شروع ہوا۔ رفقاء و احباب نے پورے جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگائے' جن میں نعرۂ تکبیر کے ساتھ چند نعرے یہ تھے:

☆ امریکہ نے کیا کیا؟ دنیا کو بدنام کیا

☆ فرعون وقت بش' نمرود وقت بش

☆ مسلمان حکمرانو! شرم کرو ڈوب مرو

☆ امریکہ کا جو یار ہے غدار ہے

شرکاء نے پلے کارڈز اور بینرز بھی اٹھا رکھے تھے۔ موقع پر ہینڈ بل بھی تقسیم کیا گیا' جو امیر حلقہ کے بیان پر مشتمل تھا۔ مظاہرے کے دوران جیو ٹی وی چینل نے امیر حلقہ کا انٹرویو بھی لیا۔ سہ پہر ساڑھے چار بجے کراچی کے لئے واپسی ہوئی۔

(رپورٹ: محمد سمیع)

حلقہ سرحد (شمالی) کے زیر اہتمام دعوتی اجتماع بمقام عشیریٔ درہ' گلکوز

26 اکتوبر کو راقم' جناب نیک محمد اور جناب شاہ سید بعد نماز ظہر عشیریٔ درہ' گلکوز روانہ ہوئے۔ بعد نماز عصر راقم نے ''عظمت قرآن'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ تقریباً 25 احباب نے پورے انہماک سے خطاب سنا۔ نماز مغرب کے بعد راقم نے ''راہ نجات'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ 6 احباب نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ بعد نماز عشاء گلکوز کی ایک اور مسجد میں خطاب کا موقع ملا جہاں راقم نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر بیان کیا۔ تقریباً 130 احباب نے پورے شوق کے ساتھ خطاب سنا اور اس کی تائید کی۔

اگلے دن بعد نماز فجر راقم نے درس قرآن دیا۔ اس کے بعد مسجد کے امام صاحب سے ملاقات کی اور اُن سے علماء/خطباء کتب سیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے مثبت رائے کا اظہار کیا۔ پھر راقم اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے واپس روانہ ہوا۔ بحیثیت مجموعی یہ پروگرام تسلی بخش رہا۔ (رپورٹ: ممتاز بخت)

اسرو دولت گیٹ ملتان کا اجتماع

یہ اجتماع اپنے وقت پر نظام العمل کے مطابق ہوا۔ سورۂ ق کی تلاوت و ترجمہ جناب عطاء اللہ نے کی جبکہ جناب ذکاء اللہ نے ''سورۃ الفاتحہ کا مقام: حدیث کی روشنی میں'' بیان کیا۔ پھر منتخب نصاب پر مذاکرہ ہوا۔ غیر رسمی خیالات میں جناب طالب حسین نے اقامت دین کے لئے تنظیم اسلامی کی جدوجہد میں سب سے بڑی رکاوٹ فروعات میں الجھی ہوئی مسلکی اور مذہبی جماعتوں کو قرار دیا۔ زاہد صاحب نے پرویزیت کے فتنے پر روشنی ڈالی اور اس ضمن میں دو باتیں زور دے کر کہیں۔ ایک یہ کہ اگر ہم قرآن کے صحیح فکر کو عام کرتے جائیں تو اس فتنے کے اندھیرے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ دوئم' مولانا مودودی کی کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت'' اس فتنے کا شافی جواب ہے۔ اس کے بعد جناب نعیم احمد نے سورۃ الفاتحہ کے چند فقہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس پروگرام کا دورانیہ 5 گھنٹے تھا' جس کی دو نشستیں ہوئیں۔ مجموعی طور پر رفقاء کی حاضری تسلی بخش تھی اور ہر رفیق نے پوری دلجمعی سے حصہ لیا۔ (رپورٹ: نعیم محبوب ملک)

سرگودھا میں دعوتی اور تربیتی پروگرام

مرکز سے ترتیب شدہ پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے ذیلی حلقہ سرگودھا کے تمام رفقاء کی مشاورت سے ایک بھرپور رابطہ مہم کا فیصلہ ہوا۔ اس کے لئے اشتہار اور بینرز کا انتظام کیا گیا اور پورے شہر اور مضافاتی بستیوں میں ''حقیقت دین'' کورس کی تفصیلات اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ ملکی انتخابات کی گہما گہمی کے باوجود پروگرام میں حاضری بہت ہی حوصلہ افزا رہی۔ رفقاء نے اپنے اپنے مضامین بڑی لگن اور محنت و جستجو سے تیار کیے۔

یہ پروگرام مسجد جامع القرآن' سیٹلائیٹ ٹاؤن میں بعد نماز عشاء ترتیب دیے گئے۔ پہلا خطاب 26 ستمبر کو جناب مہر اللہ یار خان نے ''راہ نجات'' کے موضوع پر کیا۔ 27 ستمبر کو ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ اگلے دن جناب عبدالسمیع نے ''انقلاب کا نبوی طریق کار'' پر اپنے مخصوص انداز میں بھرپور لیکچر دیا۔ چوتھے دن جناب عبدالخالق نے ''جماعت اور بیعت کی ضرورت و اہمیت'' پر پُر اثر اور معلوماتی تقریر کی۔ آخری دن جناب ڈاکٹر رفیع الدین نے ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ (رپورٹ: کے بی ملک)

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی نیویارک کے رفیق جناب مشرف حسین کی والدہ ماجدہ لاہور میں شدید علیل ہیں۔ قارئین سے ان کے لئے دعائے صحت کی خصوصی اپیل ہے۔

بقیہ: تاریخ احیائے اسلام

سے محفوظ رکھا' جس نے اس اُمت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی اور اس کو پے در پے خارجی حملوں کو سہار لینے کی قوت عطا کی' جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور اپنے دامِ محبت سے اُس دشمن کو شکار کیا' جو زورِ شمشیر اور نوکِ خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا تھا' اور جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اُس سرے تک زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا' جس نے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی قوت سے ایسے دشمنوں کو خطیرۂ اسلام میں داخل کیا اور محمد عربی ﷺ کی غلامی کا شرف بخشا' جس نے اپنے طاقتور نثری ادب اور دل گداز و بلیغ اشعار سے اُن ذہنوں کو اسیرِ دام کیا جو علمی مباحث اور مذہبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے (تاریخ جاری ہے)

ماخذ

تجدید و احیائے دین..... مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

تاریخ دعوت و عزیمت (جلد اول)..... مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی..... ڈاکٹر اسرار احمد

قوموں کی شکست و زوال کے اسباب..... ڈاکٹر آغا افتخار حسین۔

بقیہ: مکتوب شکاگو

علمی کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے لہٰذا میں علمائے کرام سے یہ گزارش کرنا چاہوں گی کہ وہ براہِ کرم اپنی تحریر و تقریر میں اس موضوع کو زیر بحث لائیں تاکہ چیٹنگ لائن پر ہمہ وقت موجود خواتین و حضرات کے دل و دماغ و آنکھیں کھل سکیں۔ چیٹنگ کا نشہ بہت برا ہے۔ آج اس تحریر کو سپردِ قلم کرنے کے بعد میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھ سے متفق ہونے پر نہ صرف انکار کیا جا سکتا ہے بلکہ کئی ماتھے شکن آلود بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں یہ کہنا چاہوں گی کہ جو لوگ اس کام میں حصہ لینے اور اس پر عمل پیرا رہنے پر بضد ہیں وہ آہستہ آہستہ پوائنٹ آف نو ریٹرن کی طرف بڑھ رہے ہیں لہٰذا میری اس تحریر کا مقصد اور اس ایکٹیوٹی کے خلاف لکھنے کی اصل وجہ ایسے تمام لوگوں کو اس blind ditch کی طرف جانے سے روکنا ہے۔

بقیہ: خلفائے راشدین

حضرت علی اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم کی تصویر تھے۔ عوام کی فلاح و بہبود آپ کی ترجیحات میں شامل تھی۔ سرکاری واجبات کی وصولی میں نرمی اختیار نہ کرتے مگر معذوروں اور ناداروں پر ہرگز سختی نہ کرتے۔ اسی طرح مجرموں کو قرار واقعی سزا دیتے لیکن عدالتی کارروائی میں قانونی تقاضوں کا ضرور خیال رکھتے۔ اگر عورت کو سزا دینا ہوتی تو اس کا پورا جسم مستور ہوتا۔ (جاری ہے)

The Curse of Suspicion

By: Abid Ullah Jan

Are we living in Pakistan? If we do, why should we approve tyranny with our silence? Why are we ignoring laws under which mere suspicion is enough to punish any one of us without conviction by a court of law?

Official media reported on Sunday, October 17, that the newly promulgated "anti-terrorism" law would now allow police to detain terror suspects for up to one year, without filing any charges. Ignoring the fact that one-year imprisonment in itself is a punishment, the ordinance was approved by the General Musharraf's hand picked federal cabinet last month but was only issued overnight and came into effect immediately.

Three days have gone past, but we have yet to see an editorial or article in mainstream media showing concern over bestowing government agencies with undue powers by a handful of government servants, who have taken law making for 145 million citizens in their hand. No one has stand up to protest that making a law of far-reaching importance for the citizens within a day of the swearing in of the new parliament amounts to mocking at the sovereignty of the parliament and ridiculing the elected members.

When it comes to mere suspicion, anybody could be a suspect. Police and other security agencies have now full authority to pick up any person as a suspect, probe his assets and bank accounts of his spouse, children and parents. Even after release on bail, the suspect would be prohibited from visiting public places, such as movie theaters, airports, parks, train stations or hotels. Such a suffocating life would be imposed on anyone just for being a suspect. What kind of suspicion would it be that 12 months would not be sufficient for convicting the suspect? Still the suspect, a human being, would be chocked to madness with the proposed kind of punishment without conviction.

Irrespective of the debate whether this is promotion or restraining terrorism, history of the last 30 years in particular clearly shows that merely making more and more draconian laws and chipping away liberties of everyone in the society cannot curb violence and terrorism. What we need is a strong commitment and political will to implement the existing laws without fear and favour.

It is not a hypothesis to state that the recently promulgated draconian law would be used to muzzle the press, silence the critics and harass those who oppose government policies from any forum. Musharraf regime's recent record of exploiting the so-called accountability law for manipulating elections, breaking political parties and achieving 'desired' political results is a hint for the future. Musharraf has taken far more advantage of the "war on terrorism" than anybody else through advancing his personal political agenda with the help of such repressive laws and their subsequent translation into action.

The misuse of accountability law helped the military government make and break allies and thus failed to achieve the desired political results. The new law to curb terrorism can now be used more lethally than accountability law. The US-led war on terror has inspired an era of unprecedented repression and human rights violations in countries where dictatorial regimes do not want to openly take such actions against their opponents.

The new laws have handed these regimes broad new authority to arrest, detain, punish and even kill ordinary citizens in the name of war on terrorism. No one is counting instances in which government authorities, fully backed by American agents, have abused their authority. In some cases they went to extent of killing targeted suspects.

When you do not need any evidence to keep someone behind the bars for one year; when you do not need any evidence to invade and occupy a country; when you do not need any evidence to kill someone with unmanned aircraft, you don't need any evidence to kill any citizen at will without any evidence. We are worthless subjects of newly occupied colonies at the mercy of an imperial power. Our viceroys need no evidence to prove that someone is involved in terrorism; mere suspicion is enough to exact the inhuman punishment. What a great age we are living in which the champions of human rights have turned into champions of dominating the entire globe.

The Supreme Court should step in to restore the public confidence in the laws of the land. National Assembly and the Parliament should redraft statutes to clear up any confusion about what the law requires and for what purpose. One of the biggest challenges the nation faces is that its government has been forced to fighting enemies of America without sacrificing civil liberties at home. The newly promulgated law failed to rise to that challenge.

The results will be far abusive from the human rights perspective than the shrill statements of some politicians would suggest. The new law grants the government one more sphere in which it gets to unilaterally choose the rules under which it will pursue its enemies in the name of war on terrorism. The system of government control is fast expanding. Which parts of this system need to be reined in is a profoundly difficult question, one that the newly elected political leaders and political analysts seem depressingly uninterested in asking.

We need to vigorously discuss and debate the new definitions of oversight and authority the government wants to have over our private lives. Political parties, human rights bodies, members of the legal fraternity and enlightened public opinion need to condemn and denounce the new law and persuade the regime to leave the matter to be decided in the parliament. The Supreme Court also needs to take notice of the new draconian law as was done in the case of the law proposing to set up military courts in the past.

This is a war, the US administration has said, without foreseeable end. We therefore need to struggle to avoid the abusive system from becoming a permanent feature of our government and justice system. We need not wait until personally becoming victims of this modern form of tyranny.

قارئین ندائے خلافت نوٹ فرمالیں

عیدالفطر کی تعطیلات کے باعث ندائے خلافت کا آئندہ شمارہ شائع نہیں ہوگا' تاہم اس شمارے میں 4 صفحات کے اضافے کے ذریعے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جبکہ قیمت معمول کے مطابق 5 روپے ہی رکھی گئی ہے۔ (ادارہ)

ISI and some "cells" in the military that may get out of control and act like "rogue" institutions.[3] Musharraf's strategy of reaping rewards of his appeasement has miserably failed. From day one, Washington didn't pay any attention to his calls, such as those for a halt to bombing in Ramadan, or not to let Northern Alliance taking full control in Kabul. Instead the Bush administration decided to continue pursuing the war during Ramadan and gave a green light to Northern Alliance forces to occupy Kabul. Musharraf again tried to reduce losses by demanding that Kabul be "demilitarized" and the Northern Alliance forces "must not" hold it.[4] Pakistan couldn't play a role in formation of a new government in Kabul and today Islamabad is totally sidelined from whatever good or bad is happening in Afghanistan.

Pakistan has become one of the strategic losers in the international system that has evolved since September 11. Yet the US has continued to portray Islamabad as a "friend," and has provided economic and military assistance on the basis of promises to unconditionally support its "anti-terrorism" campaign. US military bases are the strings attaches to this assistance.

The case of US bases in Saudi Arabia or Kuwait is based on the premise to defend these countries against Iraq. In our case, Afghanistan is fully occupied with a CIA man on throne in Kabul and American forces dug in military bases throughout the country. There is no justification for continued US military presence in Pakistan because unlike pre-Afghanistan-occupation, the Allied forces do not need any additional support from US bases in Pakistan.

Those of us who have turned a blind eye to the presence of US forces on Pakistani soil under different pretext must not ignore the reality that they are here to stay indefinitely. They are here to ensure that unlike the 1980s, Pakistan does not get a blank check from the US to combat terrorism, and spend it on building up forces that may threaten US adventures in the region.[5]

The conflicting national interests of Washington and Islamabad have become more obvious during the past year. The US has openly rejected Pakistan's position vis-à-vis Kashmir. Pakistan's nuclear programme has become the prime target of the US government. The US establishment-backed analysts have declared Pakistan "the most dangerous place on earth."[6] Permanent induction of armed forces in Pakistan's governance mechanism has been fully supported by the US and we have gladly accepted it on "something is better than nothing" bases. Furthermore, the US has a clear interest in establishing strong ties with India.[7] Pakistan, on the other hand, is increasingly considered as a "potential long-term adversary."[8]

At a time when American policy makers are planning for a disengagement from Pakistan, we need not host American bases on Pakistani soil any longer. Even some of the US policymakers reject any idea of continuing American military bases in the existing political environment of Pakistan, which could lead to an escalation of violence and a perfect ruse for a war on Pakistan.[9]

We do not need any Americans forces for taking steps that are in our own interest, such as reforming our political and economic system, arresting actual terrorists, or reducing tensions with India. Rewards for Musharraf's cooperation is not establishment of military bases in Pakistan but growing diplomatic, economic, and cultural ties without any strings attached for domination. It's time for Americans and Pakistanis to bring a sense of normalcy and dignity into their relationship by removing both American military and agents from different agencies from Pakistan. That means ending the invisible occupation of Pakistan.

If there is any lesson in the words of Tipu Sultan for us, it is: A few days of living in a sovereign Pakistan is better than a thousand years under invisible occupation embraced only to avoid American or Indian military adventures.

End Notes

1. For a historical analysis of Horthy's strategy, see Ian Kershaw, *Hitler (1936–45): Nemesis* (New York: W. W. Norton, 2000), pp. 734–35.

2. Quoted in Kux, p. 268. The quotes are taken from a State Department memorandum and talking points for Secretary Shultz's meeting with Zia that Kux obtained through the Freedom of Information Act.

3. See, for example, Douglas Frantz, "The Rogue to Fear Most Is the One Following Orders," *New York Times*, January 13, 2002, p. WK1.

4. "Now for an Equally Hard Part," *The Economist*, November 17, 2001, p. 15.

5. Fear expressed by many, such as Christopher Hitchens, "On the Frontier of Apocalypse," *Vanity Fai*, January 2002, p. 153.

6. Jim Hoagland, Nuclear Enabler, Pakistan today is the most dangerous place on Earth, Washington Post, Thursday, October 24, 2002; Page A35.

7. As analyst Victor M. Gorbarev argued in a recent policy paper, "India could become a strategic counterweight to China and a crucial part of a stable balance of power in both East Asia and South Asia." Victor M. Gobarev, "India as a World Power: Changing Washington's Myopic Policy," Cato Institute Policy Analysis no. 381, September 11, 2000, p. 2.

8. Leon T. Hadar, Pakistan: Strategic Ally or Unreliable Client? Policy Analysis, No 436, May 08, 2002.

9. Kamran Khan and Thomas E. Ricks, "U.S. Military Begins Shift from Bases in Pakistan," *Washington Post*, January 11, 2002.

* * *

Vol: 11
Regd.CPL No.127
No.4
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

Remove US Forces from Pakistan

Qazi Hussain Ahmad became the first voice in the National Assembly demanding sovereignty of parliament. The demand to have sovereign institutions in an un-sovereign state is no more than wishful thinking. But Pakistan is a sovereign state, someone may argue. The question is: Can foreign forces be indefinitely imposed on a sovereign state against its will? Of course not, is the right answer. Have, then, we willingly allowed the US troops and agents to station and act as they may wish in Pakistan? We are not a sovereign state if the answer is: "We have allowed them to save Pakistan from the direct American or indirect Indian military attack."

Pakistan was the strategic cat's-paw for United States ever since the days of CENTO and SEATO. The picture of Pak-US military-to-military relations in 2001-2002 is, however, different and stands out in stark comparison, inviting in depth analysis to look into implications of US military presence in Pakistan.

It is important to note that even at the height of Pak-US strategic relationship, we did not give access to US military personnel and the CIA to our military facilities, dumps and bases. The US military presence in Pakistan today is in thousands, located at strategic Pakistani military bases around the country. Most importantly, the American military presence was brought about not by Pakistan Army's willingness but under dire American coercive pressures and threats.

Both Pakistan Army and public cannot be said to have been unmoved by the impact of US military presence in Pakistan and the circumstances under which it was brought about. This symbol of our armed forced emasculation was definitely not brought about under any military alliance – except an alliance with an Army Chief, who represents nobody.

The reality that cannot be brushed aside is that the US's policy of intervention in Afghanistan is not viewed with favor in Pakistan. Apart from the results of recent elections, a CNN poll reveals that over 56 per cent of the people are not supportive of Musharraf's pro-US policies. In fact, they are more than 56 per cent.

It is hyperbole to portray Musharraf's decision to allow US bases in Pakistan as a courageous, de Gaulle–like gesture. Instead, Musharraf can be compared to another military dictator, Hungary's Adm. Nikolaus Horthy de Nagybanya, who attempted to defect from his alliance with Adolf Hitler and switch his support to the Allies. Horthy failed in his gamble, whereas Musharraf has been successful (so far). But that success should not diminish the significance of the historical analogy. Horthy and Musharraf were simply switching to the winning side, well aware that the alternative would bring about their own political destruction. (1)

There was no conversion of the masses to alien values or forces on native lands in either case. Like most of his predecessors, Musharraf's knew that Islamabad's ties with Washington were dictated by specific political-military interests and lacked any deep ideological roots. When US officials were hailing Pak-US cooperation in providing support to Afghan *Mujahideen*, Pakistani leaders seemed to have no illusions about their relationship with Washington. Unlike Musharraf, they recognized that after a short marriage of convenience, the two governments would eventually have to deal with the reality of their diverging core national interests and values.

During a December 6, 1982 meeting in Washington, General Zia told Secretary of State George Shultz in clear terms that the two countries were a "union of unequals" and "incompatible" in terms of culture, geography, and national power, even though they had strong common interests. (2) The cautionary remarks Zia made probably apply more to the current Pak-US relationship, in which Musharraf is the more enthusiastic partner, surrendering everything for prolonging his stay in power.

Of course, a client state can secure support and increase its leverage over the US by accentuating common strategic interests. However, there needs to be a limit to conceding our sovereignty. The erosion of our independence leads to continuing political instability, leading to the weakening of our fragile governing system. Existence of US bases in Pakistan has tarnished Pakistan's image even in Washington and contributed to the volatility of bilateral relationship.

Cold War rhetoric aside, Pakistan and US not only lack common historical and cultural ties, they are not operating on the same strategic wavelength. After September 11, the Bush administration decided, not only to target Pakistan's strategic and ideological ally in Kabul, but also destroy the entire education system for the fear of *Jihad* against its double standards, injustice and state terrorism.

Musharraf made Pakistan a big loser After September 11 with the misconception that it had no other option but to accept that outcome. From a systemic perspective, September 11 helped Washington establish its military presence in Pakistan and also reestablish the "red lines" that had disappeared after the collapse of the Soviet superpower, impelling Washington to restrain its Pakistani client state. From the American perspective, US military bases in Pakistan are necessary to keep an eye on "fundamentalist forces" taking control of sensitive locations, the